

غلطیوں کی اصلاح کا نبوی طریق کار

قائِم

عَلَّامُہ مُحَمَّد صَالِح النَّجْدِ

ترجمہ و تفہیم

عَطَّاءُ اللہ سَاجِد

مکتبۃ المدینہ لاہور

لاہور - پاکستان

الاساليب النبوية في التعامل مع اخطاء الناس

غلطیوں کی اصلاح کا نبوی طریق کار

تالیف

علامہ محمد صالح المنجد

ترجمہ و تفسیر

عطاء اللہ ساجد

نور ایس ایم اے کی بی

پوسٹ بکس 5166 ماڈل ٹاؤن لاہور، فون : 588 4789

جملہ حقوق طباعت و اشاعت بحق
نور اسلام اکیڈمی لاہور
محفوظ ہیں

تعلیمی اداروں اور پبلک لائبریریوں کیلئے محکمہ تعلیم (پنجاب) سے منظور شدہ
برمطابق چٹھی نمبر S.O.(A-IV)4-21/2000 مورخہ 13 جون 2000ء

نام کتاب : غلطیوں کی اصلاح کا نبوی طریق کار

ناشر : نور اسلام اکیڈمی، پوسٹ بکس 5166 لاہور

فون: 5884789

مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس، 43 نسبت روڈ، لاہور

اشاعت : اول — مارچ 1999ء

ششم — مارچ 2004ء

ملنے کے پتے:

✽ قرآن اکیڈمی، 36-K ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-5869501

✽ مکتبہ سلفیہ، شیش محل روڈ لاہور، فون: 7237184

✽ نعمانی کتب خانہ، حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور، فون: 7321865

✽ ادارہ مطبوعات خواتین، 42 چیمبر لین روڈ لاہور، فون: 7247185

سیل سنٹر

مکتبہ نور اسلام

رحمن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

7250047

ترتیب

- ۷ مُقَدِّمَتاً
- غلطیوں کی اصلاح کے موقع پر پیش نظر رکھے جانے والے بعض امور
- ۱۶ (۱) اخلاص
- ۱۸ (۲) غلطی فطری چیز ہے
- ۲۰ (۳) شرعی دلیل کی بنیاد پر تردید، نہ کہ بغیر علم کے محض جذبات کی بنیاد پر
- ۲۰ (۴) غلطی جتنی بڑی ہو، اس کی اصلاح کا اہتمام اتنا ہی زیادہ ہونا چاہیے
- ۲۴ (۵) اصلاح کرنے والے کے مقام و مرتبہ کا لحاظ
- ۲۸ (۶) مسئلہ سے لاعلم اور جانتے بوجھتے غلطی کرنے والے میں فرق کرنا
- (۷) اجتہاد کی بناء پر ہونے والی غلطی میں اور جان بوجھ کر یا غفلت اور کوتاہی سے ہونے والی غلطی میں فرق ہے
- ۳۳ (۸) غلطی کرنے والے کی خیر خواہی تائبہ کرنے سے رکاوٹ نہیں بن سکتی
- ۳۷ (۹) غلطی پر تائبہ کرنے میں انصاف اور غیر جانبداری کا خیال رکھنا
- ۴۱ (۱۰) ایک غلطی کی اصلاح کے نتیجہ میں بڑی غلطی وجود میں نہ آجائے
- ۴۲ (۱۱) غلطی کرنے والے کی فطری کمزوری کا احساس
- ۴۴ (۱۲) دین کی مخالفت اور کسی کی ذات پر حملہ میں فرق ہے
- ۴۵ پیش نظر رکھے جانے والے بعض دیگر امور

لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے نبی اکرم ﷺ کے اختیار کردہ مختلف اسلوب

- ۵۱ (۱) غلطی کی فوری اصلاح
- ۵۲ (۲) غلطی کے ازالہ کے لئے شرعی حکم بیان کرنا
- ۵۲ (۳) غلطی کرنے والے کو اُس شرعی اصول کی طرف توجہ دلانا
جس کی مخالفت ہوئی ہو
- ۵۳ (۴) غلطی کا سبب بننے والی غلط فہمی کی اصلاح
- ۵۹ (۵) نصیحت اور بار بار تحویف کے ذریعے غلطی کی شدت کا احساس دلانا
- ۶۱ (۶) غلطی کرنے والے پر شفقت کا اظہار
- ۶۳ (۷) کسی کو غلطی پر قرار دینے میں جلدی نہ کریں
- ۶۵ واقعہ میں تربیت سے متعلق نکات
- ۶۷ (۸) غلطی کرنے والے کے ساتھ جذباتی رویہ اختیار کرنے سے پرہیز
- ۷۱ (۹) یہ واضح کر دینا کہ غلطی بہت بڑی ہے
- ۷۲ (۱۰) غلطی کا نقصان واضح کرنا
- ۷۸ (۱۱) غلطی کرنے والے کو عملی طور پر تعلیم دینا
- ۷۹ (۱۲) صحیح متبادل پیش کرنا
- ۸۳ (۱۳) غلطی سے محفوظ رہنے کی تدبیر بتانا
- ۸۵ (۱۴) غلطی کرنے والے کو براہ راست مخاطب کرنے کے بجائے
عمومی وضاحت پر اکتفا کرنا
- ۸۹ (۱۵) غلطی کرنے والے کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کرنا
- ۸۹ (۱۶) غلطی کرنے والے کے خلاف شیطان کی مدد کرنے سے پرہیز

- ۹۲ (۱۷) غلط کام سے رُک جانے کو کہنا
- ۹۳ (۱۸) اصلاح کے لئے غلطی کرنے والے کی رہنمائی
- ۹۴ قابل توجہ امور
- ۹۶ ○ غلطی کی اصلاح کے لئے ممکن تلافی کا حکم دینا
- ۹۶ ○ غلطی کے آثار کی اصلاح
- ۹۷ ○ غلطی کا کفارہ ادا کرنا
- ۹۷ (۱۹) جہاں غلطی ہو، اس پر تنبیہ کر کے باقی عمل کو قبول کرنا
- (۲۰) حق دار کو حق دلانے کے ساتھ ساتھ غلطی کرنے والے کے مقام
- ۹۹ کا احترام برقرار رکھنا
- ۱۰۶ (۲۱) مشترکہ غلطی میں فریقین کو تنبیہ کرنا
- ۱۰۶ (۲۲) غلطی کرنے والے سے متاثرہ فریق سے معذرت کا مطالبہ کرنا
- (۲۳) غلطی کرنے والے کو متاثرہ فریق کی فضیلت یاد دلانا، تاکہ وہ نامد
- ۱۰۷ ہو کر معذرت کر لے
- (۲۴) فریقین کے درمیان مداخلت کر کے جذبات ٹھنڈے کرنا، تاکہ
- ۱۰۹ فتنہ بڑھنے سے پہلے ختم ہو جائے
- ۱۱۲ (۲۵) غلطی پر غصے کا اظہار
- (۲۶) غلطی کرنے والے سے بحث نہ کرتے ہوئے اعراض کر لینا تاکہ وہ
- ۱۳۰ خود ہی اصلاح کر لے
- ۱۳۰ (۲۷) غلطی کرنے والے کو زبانی تنبیہ کرنا
- ۱۳۲ (۲۸) غلطی کرنے والے کو ملامت کرنا
- ۱۳۴ (۲۹) غلطی کرنے والے سے بے اعتنائی
- ۱۳۶ (۳۰) غلطی کرنے والے کا بایکٹ

- ۱۳۰ (۳۱) غلطی پر آڑ جانے والے کو بددعا دینا
- (۳۲) غلطی کرنے والے کے احترام کو پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ غلطی
- ۱۳۱ کی طرف اشارہ کر کے باقی تفصیل بیان کرنے سے گریز کرنا
- ۱۳۲ (۳۳) غلطی کے ازالے میں مسلمان کی مدد کرنا
- ۱۳۴ (۳۴) غلطی کرنے والے سے مل کر تبادلہ خیال کرنا
- ۱۳۷ واقعہ سے مستنبط بعض مسائل
- ۱۳۷ (۳۵) غلطی کرنے والے کو صاف طور پر اس کی غلطی بتا دینا
- ۱۴۰ (۳۶) غلطی کرنے والے کو قائل کرنا
- ۱۴۱ (۳۷) غلطی کرنے والے کو احساس دلانا کہ اس کا عذر لنگ ناقابل قبول ہے
- ۱۴۴ (۳۸) انسان کی فطری کمزوریوں کو ملحوظ رکھنا
- ۱۴۷ حرفِ آخر





الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ، الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ، مَالِكِ يَوْمِ
الدِّينِ ، إِلَهِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ، وَقَيُّومِ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِينَ ، وَالصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَى نَبِيِّهِ الْأَمِينِ ، مُعَلِّمِ
الْخَلْقِ الْمَبْعُوثِ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ — أَمَّا بَعْدُ :

لوگوں کو دین کی باتیں بتانا اور دین کی تعلیم دینا بہت بڑی نیکی ہے، جس سے
نہ صرف تعلیم دینے والے کو فائدہ پہنچتا ہے، بلکہ اس کی خیر و برکت ہر خاص و عام
تک پہنچتی ہے۔ پھر یہ عمل انبیاء و رسل کی وہ میراث ہے جس میں سے تبلیغ و
تربیت کا فریضہ انجام دینے والے ہر شخص کو حصہ نصیب ہوا ہے۔

”لوگوں کو نیکی کی تعلیم دینے والے پر اللہ بھی رحمت نازل کرتا ہے اور
اس کے فرشتے، بلکہ آسمان و زمین میں رہنے والی تمام مخلوقات اسے
دُعائیں دیتی ہیں، حتیٰ کہ بیل میں موجود چیونٹی بھی اور مچھلی بھی اس کے
لئے دعا کرتی ہے۔“^(۱)

تعلیم کے بہت سے طریقے اور مختلف ذرائع ہیں۔ ان میں ”غلطی کی
اصلاح“ بھی شامل ہے۔ اصلاح، تعلیم کا ایک لازمی جزو ہے اور انہیں ایک
دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

غلطیوں کی اصلاح اُس ”خیر خواہی“ میں شامل ہے جو ہر مسلمان کا فرض ہے۔

(۱) سنن الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العباد
ح ۲۶۸۵-۲۶۸۶، امام ترمذی اور علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔

اور اس کا ”امر بالمعروف ونہی عن المنکر“ کے فریضہ سے گہرا تعلق ہے، جس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ (۲)

علاوہ ازیں وحی الہی میں بھی غلطیوں کی اصلاح پائی جاتی ہے اور یہ قرآنی طریقہ کار ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اوامر و نواہی بھی نازل ہوئے ہیں، اس میں بعض امور کو سابقہ حالت پر برقرار بھی رکھا گیا ہے، بعض امور کی تردید کی گئی ہے اور غلطیوں کی اصلاح بھی کی گئی ہے، حتیٰ کہ اگر نبی اکرم ﷺ سے بھی کوئی خلافِ اولیٰ بات ہو گئی ہے تو قرآن مجید میں اس پر تنبیہ نازل ہو گئی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ عَبَسَ وَتَوَلَّى ۝ اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهٗ
يَزْكٰى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَعْنٰى ۝ فَاَنْتَ
لَهٗ تَصَدِّى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَا يَزْكٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَاءَكَ
يَسْئَلُ ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهٰى ۝ ﴾ (عبس: ۱-۱۰)

”محمد ﷺ) ترش رو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے، کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا، آپ کو کیا معلوم شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا، یا نصیحت قبول کرتا تو اُسے نصیحت سے فائدہ پہنچتا۔ جو پروا نہیں کرتا، آپ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں، حالانکہ اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کرے تو آپ پر کچھ (الزام) نہیں، اور جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا، اور وہ (اللہ سے) ڈرتا ہے، اُس سے آپ بے رنجی برتتے ہیں۔“

اور فرمایا :

(۲) البتہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ ”غلطی“ کا دائرہ ”منکر“ (برائی) سے زیادہ وسیع ہے۔ کیونکہ غلطی کبھی ”منکر“ میں شامل ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی۔

﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَهُ﴾ (الاحزاب: ۳۷)

”جب آپ اُس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ نے احسان کیا، اور آپ نے بھی احسان کیا، (فرماتے تھے:) اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر، اور آپ اپنے دل میں وہ بات پوشیدہ کرتے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا، اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آپ اُس سے ڈریں۔“

اور فرمایا :

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُفْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۗ تُرِيدُونَ عَرَصَ الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (الانفال: ۶۷)

”پیغمبر کو شایاں نہیں کہ اُس کے قبضے میں قیدی رہیں جب تک وہ (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں خون نہ بہالے۔ تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو، اور اللہ آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے، اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔“

اور فرمایا :

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾ (آل عمران: ۱۱۸)

”(اے نبی ﷺ) اِس کام میں آپ کو کچھ اختیار نہیں۔ (اب دو صورتیں ہیں) یا اللہ ان پر مہربانی کرے یا انہیں عذاب دے کہ وہ ظالم لوگ ہیں۔“

بعض اوقات کسی صحابی سے کوئی غلطی سرزد ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اس کی وضاحت فرمائی۔ قرآن مجید میں اس طرح کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے ایک بہت بڑی غلطی ہو گئی کہ انہوں نے قریش کے نام خط لکھ دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا :

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ ۗ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ ۗ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ ۗ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ ﴾ (الممتحنة : ۱)

”اے مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔ تم چھپ کر ان سے دوستی (کرنے کی کوشش) کرتے ہو، حالانکہ وہ اس دین حق سے منکر ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے، وہ رسول کو اور تمہیں صرف اس لئے (وطن سے) نکالتے ہیں کہ تم اپنے مالک اللہ پر ایمان لائے ہو۔ اور مجھے خوب معلوم ہے جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ علی الاعلان کرتے ہو۔ اور تم میں سے جو شخص یہ کام (کافروں سے دوستی) کرے گا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔“

اسی طرح غزوہٴ اُحد میں جب تیر انداز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ جگہ چھوڑ دی جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا تو یہ فرمان الہی نازل ہوا :

﴿ حَتَّىٰ إِذَا فَاشَلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّا بَعْدَ مَا
 أَرْسَلْنَا مَا تُحِبُّونَ ۗ مِنْكُمْ مَن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَن يُرِيدُ
 الْآخِرَةَ ۗ ﴾ (آل عمران : ۱۵۲)

”حتیٰ کہ تمہیں اللہ نے وہ کچھ دکھا دیا جو تم پسند کرتے تھے، اس کے بعد
 تم نے ہمت ہار دی، اور (نبی کے) حکم کے بارے میں اختلاف کرنے
 لگے، تم میں بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت کے طالب تھے۔“

جب نبی اکرم ﷺ نے تادیب کے طور پر ازواجِ مطہرات میں سے الگ
 قیام فرمایا تو بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آنحضرت ﷺ نے ازواجِ
 مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

﴿ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ أَدَّعَوْا بِهٖ ۗ وَلَوْ
 رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ
 يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ ﴾ (النِّسَاء : ۸۳)

”اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اسے
 (بلا تحقیق) مشہور کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ اس کو رسول (ﷺ) کے
 پاس اور اپنے میں سے ذمہ دار حضرات کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے
 والے اس کی تحقیق کر لیتے۔“

بعض مسلمانوں نے بغیر کسی شرعی عذر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی
 طرف ہجرت نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل کیا :

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتُمُ الْمَلَائِكَةَ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ
 كُنْتُمْ ۗ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۗ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ
 أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۗ ﴾ (النِّسَاء : ۹۷)

”جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں: ہم زمین میں عاجز اور کمزور تھے۔ وہ کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین فراخ نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟“

جب منافقوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں افواہ پھیلائی جس سے اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا دامن پاک تھا، تو بعض مسلمانوں نے بھی منافقوں کے بہکاوے میں آکر زبان سے نامناسب الفاظ نکالے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِالنِّسْتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا ۚ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ۝ ﴾ (النور: ۱۳-۱۵)

”اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات کا تم چرچا کرتے تھے اسکی وجہ سے تم پر ایک بڑا عذاب نازل ہو جاتا۔ جب تم اپنی زبانوں سے اس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تمہیں علم نہ تھا، اور تم اسے معمولی سمجھتے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بڑی بھاری بات تھی۔“

اس کے بعد فرمایا:

﴿ وَلَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا ۚ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ ۚ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ ﴾ (النور: ۱۶)

”جب تم نے اسے سنا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ایسی بات زبان پر لائیں۔ (اے اللہ) تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مؤمن ہو تو دوبارہ کبھی ایسا کام نہ کرنا۔“

ایک بار نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرام رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ میں کسی بات پر اختلاف ہو گیا۔ بحث کے دوران اُن کی آوازیں کچھ بلند ہو گئیں۔ اس پر یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝﴾

(الحجرات : ۲۱)

”اے مؤمنو! (اپنی بات کو) اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھاؤ، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ اے مؤمنو! نبی (ﷺ) کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو، اور اُن سے اس طرح بلند آواز سے بات نہ کرو جس طرح ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کر لیتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں احساس بھی نہ ہو۔“

ایک دفعہ جناب رسول اللہ ﷺ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک تجارتی قافلہ آگیا۔ بعض لوگوں نے خطبہ چھوڑ دیا اور تجارتی سامان کی خرید و فروخت کے لئے چلے گئے۔ اس پر یہ فرمانِ الہی نازل ہوا :

﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۗ
 قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ
 الرَّزْقِينَ ۝﴾ (الجمعة : ۱۱)

”جب وہ تجارت یا کھیل تماشے کی چیز دیکھتے ہیں تو آپ کو کھڑا چھوڑ کر
 ادھر چلے جاتے ہیں۔ کہہ دیجئے : جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تماشے اور
 تجارت سے بہتر ہے۔ اور اللہ بہتر رزق دینے والا ہے۔“

اس قسم کی اور بہت سی مثالیں موجود ہیں جن سے غلطیوں کی اصلاح اور
 خاموش نہ رہنے کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ
 آنحضرت ﷺ اللہ کے نازل کردہ نور کی روشنی میں بڑائی کی روک ٹوک اور
 غلطی کی اصلاح کے اسی طریق کار پر عمل پیرا رہے، اور آپ ﷺ نے اس کام
 میں کسی قسم کی سستی سے کام نہیں لیا۔ اسی قسم کے دلائل سے علماء کرام نے یہ
 قاعدہ اخذ کیا ہے کہ : ”نبی ﷺ کے حق میں بیان اور وضاحت کو ضرورت کے
 وقت سے مؤخر کرنا جائز نہیں۔“

نبی اکرم ﷺ کی زندگی جن افراد کے درمیان گزری، ان سے سرزد ہونے
 والی غلطیوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا طرز عمل انتہائی اہمیت کا حامل ہے،
 کیونکہ آنحضرت ﷺ کو اللہ کی تائید و نصرت حاصل تھی، اور آپ ﷺ کے
 اقوال و افعال کی تائید یا تصحیح وحی کے ذریعے ہوتی رہتی تھی۔ اس لئے حضور علیہ
 الصلوٰۃ والسلام کے اختیار کردہ اسالیب زیادہ محکم اور زیادہ مفید ہیں۔ ان کے
 استعمال سے یہ امید زیادہ ہے کہ لوگ اصلاح کرنے والے کی بات مان لیں۔
 تربیت کا فریضہ انجام دینے والا کوئی بھی فرد اگر ان طریقوں اور اسالیب پر عمل

پیرا ہو تو اس کا یہ عمل زیادہ صحیح اور بہتر ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے، اس لئے نبوی طریق کار اور اسالیب پر عمل کرنے سے آنحضرت ﷺ کی اقتداء کا شرف بھی حاصل ہو جاتا ہے اور اخلاص کی موجودگی میں یہ چیز اجر و ثواب کے حصول کا باعث ہے۔

نبوی طریق کار کا مطالعہ کرنے سے دنیا میں پائے جانے والے متعدد اسالیب کی ناکامی اور غلطی واضح ہو جاتی ہے۔ ان میں سے اکثر اسلوب تو واضح طور پر غلط ہیں اور ان کی بنیاد غلط نظریات پر رکھی گئی ہے، مثلاً بے قید آزادی کا نظریہ — یا وہ نسل در نسل منتقل ہونے والے غلط خیالات پر مبنی ہوتے ہیں، مثلاً آباء و اجداد کی اندھی تقلید۔

یہاں یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ اس نبوی منہج کو عملی طور پر اختیار کرتے ہوئے بہت حد تک اجہتاؤ سے کام لینا پڑتا ہے، تاکہ حالات و واقعات اور نتائج کو مد نظر رکھتے ہوئے جو اسلوب زیادہ مناسب معلوم ہو وہی کام میں لایا جائے۔ اور فقیہانہ نظر رکھنے والا شخص ملتے جلتے حالات و کیفیات پر گہری نظر ڈال کر مناسب اسلوب کا انتخاب کر سکتا ہے۔

اس کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا واسطہ جن افراد سے تھا اور جن حضرات کے درمیان آپ ﷺ کی زندگی گزری، ان کے مقام و مرتبہ کے فرق اور ذہن و فکر کے اختلافات کو سامنے رکھتے ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان کی غلطیوں کے بارے میں جو مختلف انداز کارویہ اختیار کیا، ان اسالیب کو جمع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے مسلمان بھائیوں کو توفیق دے، فائدہ پہنچائے اور صحیح بات کی طرف راہنمائی فرمائے۔ یہ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، اور وہی سیدھی راہ کی ہدایت دینے والا ہے۔

غلطیوں کی اصلاح کے موقع پر پیش نظر رکھے جانے والے بعض امور

اصل موضوع پر بات شروع کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ بعض ایسی باتیں بیان کر دی جائیں جن کا دوسروں کی غلطیوں کی اصلاح کرنے سے پہلے اور اصلاح کے دوران خیال رکھنا ضروری ہے :

(۱) اخلاص :

جب کسی کی غلطی کی اصلاح کا ارادہ کیا جائے تو ضروری ہے کہ اس عمل سے مقصود اللہ کی رضا کا حصول ہو، کسی سے برتری کی خواہش نہ ہو، نہ کسی پر اپنا غصہ نکالنے کا جذبہ کار فرما ہو، نہ یہ کوشش ہو کہ عوام کی نظروں میں کوئی مقام حاصل ہو جائے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تابعی حضرت شفیٰ اصبحی کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ وہ مدینہ منورہ پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے لوگ ایک بزرگ کے ارد گرد جمع ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں : وہ لوگوں کو احادیث نبویہ سنا کر وعظ کر رہے تھے۔ میں آہستہ آہستہ قریب ہوتے ہوتے آپ کے سامنے جا بیٹھا۔ جب وہ وعظ سے فارغ ہوئے اور لوگ اٹھ کر جانے لگے تو میں نے عرض کیا : میں آپ کو حق کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے ایسی کوئی حدیث سنائیں جو آپ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سنی اور سمجھی ہو اور آپ کو اچھی طرح یاد ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ”ہاں، میں سناؤں گا“ میں ایسی ہی حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

سنائی، اور میں نے اسے سمجھا اور یاد کیا۔“ پھر اچانک ان کی حالت غیر ہو گئی، تھوڑی دیر بعد حواس بجا ہوئے تو فرمایا: ”میں آپ کو ضرور وہ حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس گھر میں سنائی تھی، اُس وقت آنحضرت ﷺ کے پاس میرے سوا کوئی نہیں تھا۔“ اتنا کہتے ہی پھر حالت غیر ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو چہرے سے پسینہ پونچھنے لگے۔ پھر فرمایا: ”ہاں، میں آپ کو ضرور وہ حدیث سناؤں گا، جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے سنائی تھی، جب کہ میں اس گھر میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھا، میرے سوا آپ ﷺ کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔“ اس کے بعد پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حالت خراب ہو گئی اور آپ ﷺ چہرے کے بل جھک گئے، میں نے بہت دیر تک آپ ﷺ کو سہارا دیئے رکھا۔ تب آپ ﷺ کی حالت سنبھلی تو فرمایا: مجھے جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث سنائی کہ:

”جب قیامت کا دن ہو گا اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے زمین پر تشریف فرما ہوں گے۔ ہر جماعت گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی ہوگی۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ جن اشخاص کو بلائیں گے، ان میں سے ایک وہ آدمی ہو گا جس نے قرآن پاک یاد کیا ہو گا، اور ایک وہ آدمی ہو گا جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتا رہا ہو گا اور ایک بہت مال دار آدمی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کے عالم سے فرمائیں گے: کیا میں نے تجھے وہ کتاب نہیں سکھائی تھی جو میں نے اپنے رسول پر نازل کی تھی؟ وہ کہے گا: جی ہاں، یا رب۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: پھر تو نے اپنے علم پر کیسے عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں رات دن اس میں مشغول رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تو نے جھوٹ کہا، اور فرشتے اسے کہیں گے: تو نے جھوٹ کہا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تیری نیت تو یہی تھی کہ کہا جائے فلاں آدمی (بڑا) قاری اور عالم ہے۔ وہ (دنیا میں) کہا جا چکا ہے۔ اسی طرح صاحب ثروت شخص کو حاضر

کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے : کیا میں نے تجھے (مالی) آسودگی نہیں بخشی تھی حتیٰ کہ میں نے تجھے کسی کا محتاج نہ رہنے دیا؟ وہ کہے گا : جی ہاں، یارب۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے : پھر تو نے میرے دیئے ہوئے مال کا کیا کیا؟ وہ کہے گا : میں رشتہ داروں پر احسان کرتا تھا اور (سب ضرورت مندوں پر) صدقہ کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے : تو جھوٹا ہے۔ فرشتے بھی کہیں گے : تو جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے : تو یہ چاہتا تھا کہ لوگ کہیں : فلاں بہت سخی ہے وہ (دنیا میں) کہا جا چکا۔ اسی طرح اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے کو حاضر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے : تجھے کس لئے قتل کیا گیا؟ وہ کہے گا : مجھے تیری راہ میں جہاد کا حکم ملا، تو میں جنگ کرتا رہا حتیٰ کہ مجھے قتل کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائیں گے : تو جھوٹا ہے۔ فرشتے بھی اسے کہیں گے : تو جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے : بلکہ تیری خواہش صرف یہ تھی کہ کہا جائے : فلاں بہت بہادر ہے۔ وہ کہا جا چکا۔“ اس کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا : ”ابو ہریرہ! یہ تین شخص ہیں جو قیامت کے دن تمام مخلوقات میں سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے۔“ (۳)

اگر نصیحت کرنے والے کی نیت صحیح ہو تو اسے ثواب بھی ملے گا، اور اللہ کے حکم سے بات میں اثر بھی پیدا ہو گا اور سننے والے اس کی بات مانیں گے۔

(۲) غلطی فطری چیز ہے :

ارشادِ نبوی ہے :

((كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ)) (۴)

(۳) سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة، باب ۳۹۔ و سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر التوبة ح ۴۲۵۱۔ علامہ البانی نے حدیث کو حسن کہا ہے۔

”تمام بنی آدم خطا کار ہیں، اور بہتر خطا کار وہ ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں۔“

یہ ایک واضح حقیقت ہے، اسے یاد رکھنے سے ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ تربیت کرنے والے استاد اور واعظ کو افراد سے اعلیٰ ترین مثالی کردار یا معصوم عن الخطا ہونے کی توقع رکھ کر ان کا محاسبہ نہیں کرنا چاہیے، نہ دوبارہ غلطی ہو جانے پر یا بڑی غلطی سرزد ہو جانے پر ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا درست ہے کہ ان کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ان کے ساتھ حقیقت پر مبنی رویہ رکھنا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے کہ انسان فطری طور پر لاعلمی، غفلت، نقص، خواہشِ نفس اور نسیان جیسے عوارض کا شکار ہو جایا کرتا ہے۔

اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھنے سے یہ فائدہ بھی ہو گا کہ اچانک کوئی غلطی سامنے آجانے کی صورت میں داعی جذبات میں آکر توازن سے محروم نہیں ہو جائے گا، ورنہ غلطی کرنے والے کی طرف سے نامناسب ردِ عمل پیش آسکتا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے سے نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے مبلغ اور استاد کو یہ بات یاد رہے گی کہ وہ خود بھی ایک انسان ہے، اس سے بھی اسی غلطی کا صدور ممکن ہے جو دوسرے شخص نے کی ہے۔ چنانچہ وہ غلطی کرنے والے کے ساتھ سختی کی نسبت نرمی کا معاملہ اختیار کرنے کو ترجیح دے گا، کیونکہ اصل مقصد اصلاح ہے، انتقام یا سزا نہیں۔

لیکن مذکورہ بالا گزارشات کا یہ مطلب نہیں کہ ہم غلطی کرنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں اور کبیرہ گناہوں کے مرتکب افراد کی طرف سے یہ معذرت کریں کہ وہ نوجوان ہیں یا ان کا دور گناہوں پر ابھارنے والے عوامل اور فتنوں سے بھرپور ہے، بلکہ برائی سے روکنا اور محاسبہ کرنا چاہیے، لیکن شریعت کی میزان کے مطابق۔

۳۱) شرعی دلیل کی بنیاد پر تردید، نہ کہ بغیر علم کے محض جذبات کی بنیاد پر:

حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے صرف ایک چادر اوڑھ کر، اسے سر کے پیچھے گرہ لگا کر نماز پڑھی (۵) حالانکہ ان کے کپڑے (قریب ہی) تپائی پر پڑے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا: ”آپ ایک چادر میں نماز پڑھتے ہیں؟“ انہوں نے فرمایا: ”میں نے اس لئے یہ کام کیا ہے تاکہ تجھ جیسا حتم دیکھ لے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہم میں سے کس کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے؟“ (۶)

امام ابن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”یہاں احمق سے مراد بے علم ہے..... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ ایک کپڑا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، اگرچہ دو کپڑے پہن کر نماز پڑھنا افضل ہے۔ ان کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ میں نے یہ کام جان بوجھ کر بیان جواز کے مقصد سے کیا ہے، تاکہ بے علم یا ویسے ہی میری پیروی کر لے، یا مجھے ٹوکے تو میں اسے بتاؤں کہ یہ جائز ہے۔ انہوں نے کلام میں سختی اختیار فرمائی تاکہ علمائے کرام کو ٹوکنے سے منع فرمائیں، اور اس لئے بھی کہ لوگ شرعی مسائل میں تحقیق کیا کریں۔“ (۷)

۳۲) غلطی جتنی بڑی ہو، اس کی اصلاح کا اہتمام اتنا ہی زیادہ ہونا چاہیے:

چنانچہ جن غلطیوں کا تعلق عقیدہ سے ہے، ان کی اصلاح کا اہتمام آداب

(۵) اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس پا جاے نہیں ہوتے تھے، تو نمازی چادر کو سر کے پیچھے گردن پر گرہ لگالیا کرتا تھا تاکہ رکوع اور سجدہ میں پردہ قائم رہے۔ (فتح الباری طبع سلفیہ ۱/۳۶۷)

(۶) صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب عقد الازار علی القفا فی الصلاة ح ۳۵۲۔

(۷) سابقہ حدیث کی شرح میں ملاحظہ ہو فتح الباری ۱/۵۵۷ (طبع الریان)

وغیرہ سے تعلق رکھنے والی غلطیوں کی نسبت زیادہ ہونا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ نے شرک کی ہر قسم سے تعلق رکھنے والی غلطیوں کی چن چن کر اصلاح کی، کیونکہ شرک سب سے خطرناک چیز ہے۔ ذیل میں چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں :

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن جناب رسول اللہ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، اس دن سورج گرہن تھا۔ بعض لوگوں نے کہا: یہ تو ابراہیمؑ کی وفات کی وجہ سے بے نور ہو گیا ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَاتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ، لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَادْعُوا اللَّهَ وَصَلُّوا حَتَّى يَنْجَلِيَ))

”سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، انہیں کسی کے مرنے جینے سے گرہن نہیں لگتا۔ تم جب انہیں گنایا ہو اور دیکھو تو گرہن ختم ہونے تک اللہ سے دعا اور نماز میں مشغول رہو۔“ (۸)

حضرت ابو واقد لیشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جہاد کے لئے حنین تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں آپ کا گزر مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے ہوا جو ”ذاتِ انواط“ کے نام سے معروف تھا، وہ لوگ اس پر (برکت حاصل کرنے کے لئے) اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ بعض مسلمانوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! جس طرح ان کا یہ ”ذاتِ انواط“ ہے اسی طرح ہمارے لئے بھی کوئی درخت مقرر فرما دیجئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

(۸) صحیح البخاری، کتاب الکسوف، باب الدعاء فی الخسوف

((سُبْحَانَ اللَّهِ، هَذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ- وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ))

”سبحان اللہ! یہ تو ایسی ہی بات ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا: جس طرح ان لوگوں کے معبود (بت) ہیں ہمارے لئے بھی ایسا معبود بنا دیجئے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم (مسلمان) ضرور اپنے سے پہلوں (غیر مسلموں) کے طریقوں پر چلو گے۔“ (۹)

حضرت ابو واقد رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف روانہ ہوئے۔ (راستے میں) کافروں کی ایک بیری تھی، وہ اس کے پاس (مجاور بن کر) بیٹھتے اور اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے۔ اسے ذاتِ انواط کہا جاتا تھا۔ صحابی ارشاد فرماتے ہیں: ہم ایک بڑی ہری بھری بیری کے پاس سے گزرے تو ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے لئے بھی ایک ذاتِ انواط مقرر فرما دیجئے۔ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قُلْتُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى ﴿اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ﴾، قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿إِنَّهَا لَسُنَّةٌ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ سُنَّةَ سُنَّةٍ﴾))

”قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم نے وہی بات کی ہے جیسے موسیٰ عليه السلام کی قوم نے کہا تھا: ”جس طرح ان لوگوں کے

(۹) سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ح ۲۱۸۰۔ امام ترمذی اور علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔

معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :
تم تو جہالت کی بات کر رہے ہو۔“ یہی تو وہ طور طریقے ہیں، تم گزشتہ
اقوام کی ایک ایک رسم اپنالو گے۔“ (۱۰)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا : جناب
رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی، رات کو بارش ہوئی
تھی، نماز سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور
فرمایا : ”کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟“ صحابہ نے عرض
کیا : اللہ کو اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا :
”اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ”اس صبح میرا کوئی بندہ مجھ پر ایمان لانے والا بن
گیا، کوئی کفر کرنے والا۔ جس نے تو یہ کہا : ہمیں اللہ کے فضل اور اس کی
رحمت سے بارش ملی ہے، وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا ہے اور ستاروں کے ساتھ کفر
کرنے والا ہے۔ اور جس نے کہا : فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی
ہے، وہ میرے ساتھ کفر کرنے والا اور ستارے پر ایمان رکھنے والا ہے۔“ (۱۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا :
اے اللہ کے رسول! جو کچھ اللہ چاہے، اور جو آپ چاہیں وہی ہوتا ہے۔
آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ”تو نے مجھے اللہ کے برابر کر دیا؟ بلکہ وہی ہوتا ہے جو
اکیلا اللہ چاہے۔“ (۱۲)

(۱۰) مسند احمد ۲۱۸/۵۔

(۱۱) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب یتقبل الامام الناس اذا سلم
ح ۸۳۶۔

(۱۲) مسند احمد ۲۸۳/۱۔ علامہ شاکر نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو
ح ۲۵۶۱۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک قافلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ کی قسم کھاتے پایا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کو بلند آواز سے مخاطب کر کے فرمایا :

((أَلَا إِنَّ اللَّهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَخْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَخْلِفْ بِاللَّهِ وَالْأَلْفَلَيْصُمْ))

”سنو! اللہ تمہیں اپنے باپوں کی قسمیں کھانے سے منع فرماتا ہے، جسے قسم کھانا ہو وہ اللہ کی قسم کھائے، ورنہ خاموش رہے۔“ (۱۳)

حضرت ابو شریح ہانی بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ ایک آدمی کو عبدالحجر (پتھر کا غلام) کہہ کر بلاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اس سے کہا: ”تمہارا نام کیا ہے؟“ اس نے کہا: عبدالحجر (پتھر کا بندہ)۔ فرمایا: ”نہیں، تو عبد اللہ (اللہ کا بندہ) ہے۔“ (۱۴)

(۵) اصلاح کرنے والے کے مقام و مرتبہ کا لحاظ :

بعض اوقات ایک شخص کی ایسی سختی برداشت کر لی جاتی ہے جو دوسروں کی

(۱۳) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب ۷۴، ح ۶۱۰۸۔

نوٹ : مسند احمد میں سعد بن عبیدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا : میں ایک حلقہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا۔ انہوں نے دوسرے حلقہ میں موجود ایک شخص کو کہتے سنا : ”میرے باپ کی قسم۔“ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے نکلیاں ماریں اور فرمایا : ”عمر رضی اللہ عنہ نے یہ قسم کھائی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کیا اور فرمایا : یہ شرک ہے۔“ (الفتح الربانی ۱/۱۳، ۱۶۳)

(۱۴) الادب المفرد للامام البخاری ۱/۲۸۲، باب کنیۃ ابی الحکم ح ۸۱۱۔

علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ”صحیح الادب المفرد“ ح ۶۲۳۔

طرف سے ہو تو برداشت نہیں کی جاتی، کیونکہ اس کو وہ مقام حاصل ہوتا ہے جو دوسروں کو نہیں ہوتا، یا اس کو وہ اختیار حاصل ہوتا ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً باپ کو بیٹی پر، استاد کو شاگرد پر، محاسب کو عام آدمی پر وہ اختیار حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں ہے۔ اپنے سے بڑی عمر والے سے اس انداز سے بات نہیں کی جاتی جس طرح ہم عمر سے یا چھوٹے سے کی جاتی ہے۔ رشتہ دار اور اجنبی برابر نہیں۔ صاحب اختیار کی حالت وہ نہیں ہے جو اختیار نہ رکھنے والے کی ہے۔ اس فرق کو پیش نظر رکھ کر اصلاح کرنے والا ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھ سکتا ہے اور معاملات کو صحیح طور پر پرکھ سکتا ہے، تاکہ غلطی سے منع کرنے یا اصلاح کرنے کی کوشش میں اس سے بڑی غلطی پیدا نہ ہو جائے۔ تنبیہ کس درجہ کی ہو اور اس میں سختی یا نرمی کا کیا معیار رکھا جائے، اس کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ غلطی کتنی بڑی ہے اور غلطی کرنے والے کے دل میں منع کرنے والے کا کیا مقام اور کس درجہ کا زعب و دبدبہ ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے دو امور مستنبط ہوتے ہیں :

اول : جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی مقام و مرتبہ اور اقتدار و اختیار عطا فرمایا ہے اس کا فرض ہے کہ اس سے فائدہ اٹھا کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور لوگوں کی تربیت کا کام انجام دے اور اس بات کا احساس کرے کہ اس کی ذمہ داری بہت بڑی ہے، اور لوگ دوسروں کی نسبت اس کی بات زیادہ مان سکتے ہیں، اور وہ جو کچھ کر سکتا ہے دوسرے لوگ نہیں کر سکتے۔

دوم : امر و نہی کا فریضہ انجام دینے والے کو چاہیے کہ اپنے مقام کا غلط اندازہ نہ لگائے، اور خود کو اپنے حقیقی مقام سے بلند تر مقام پر رکھ کر اس انداز سے کام نہ کرے جو اس کے لئے مناسب نہیں، کیونکہ اس طرح لوگ اس سے

دور نہیں گے اور اصل مقصد کے حصول میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔

جناب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس عظیم مقام سے سرفراز فرمایا تھا اور عام لوگوں کے دلوں میں آپؐ کی جو ہیبت عطا فرمائی تھی، آنحضرت ﷺ سے تنبیہ اور تربیت میں اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اور بعض اوقات آپؐ کا طرز عمل ایسا ہوتا تھا کہ اگر کوئی اور شخص وہ انداز اختیار کرے تو اس سے صحیح فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کی ایک مثال پیش خدمت ہے :

حضرت یعیس بن طہفہ غفاری نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا : جو نادار حضرات نبی اکرم ﷺ کے مہمان ہوا کرتے تھے (ایک بار) ان میں (شامل ہو کر) میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہاں مہمان ہوا۔ آنحضرت ﷺ رات کو اپنے مہمانوں کی دیکھ بھال کی غرض سے تشریف لائے تو مجھے پیٹ کے بل لیٹے دیکھا۔ آنحضرت ﷺ نے مجھے قدم مبارک سے ٹھوکا دیا اور فرمایا :

”اس انداز سے نہ لیٹو۔ اللہ تعالیٰ اس انداز سے لیٹنے کو ناپسند فرماتے ہیں۔“

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ قدم مبارک سے ٹھوکا دے کر جگایا اور فرمایا :

”یہ اہل جہنم کا لیٹنے کا انداز ہے۔“ (۱۵)

نبی اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ کے پیش نظر آنحضرت ﷺ کے لئے تو اس انداز سے تنبیہ کرنا بالکل مناسب تھا، لیکن عام آدمی کے لئے اسے اختیار کرنا قطعاً مناسب نہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنے بھائی کو پیٹ کے بل سوئے ہوئے دیکھتا ہے تو یہ درست نہیں کہ اسے پاؤں کی ٹھوکا مار کر جگادے، اور پھر یہ امید

(۱۵) سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی کراہیة الاضطجاع
 علی البطن ح ۲۷۶۸۔ و سنن ابی داؤد، کتاب الادب، ابتدا میں، ح ۵۰۳۰۔
 ومسنند احمد ۲۸۷/۲ والفتح الربانی ۱۳/۲۳۳-۲۳۵۔

رکھے کہ وہ اس کی بات مان لے گا اور شکریہ بھی ادا کرے گا۔ (۱۶)

ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی اعرابی یا اجنبی کی نسبت زیادہ سختی سے تنبیہ فرماتے تھے۔ اور یہ سب کچھ حکمت میں شامل ہے، اور تنبیہ کرتے وقت حالات کا صحیح اندازہ کرنے کی مثال ہے۔

(۱۶) اس سے ملتی جلتی مثال غلطی کرنے والے کو پیشنایا سے نکلی مارنا ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا ہے۔ ان سب کا دار و مدار تنبیہ کرنے والے کے مقام و مرتبہ پر ہے۔ یہاں چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں :

حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک آدمی آیا۔ اس کا نام صَبِیغ تھا۔ وہ قرآن مجید کی مشابہ آیات کے بارے میں سوالات کرنے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کجھور کی چھڑیاں منگوائیں اور اس شخص کو طلب فرمایا۔ آپ نے فرمایا : تو کون ہے؟ اس نے کہا : میں اللہ کا بندہ صَبِیغ ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک چھڑی لے کر اسے پٹا اور فرمایا : میں اللہ کا بندہ عمر ہوں۔ آپ نے اسے اتنا پٹا کہ اس کے سر سے خون نکل آیا۔ تب اس نے کہا : امیر المؤمنین! بس کریں، میرے سر کی بیماری ڈور ہو گئی ہے۔ (سنن دارمی، تحقیق عبداللہ بن ہاشم یمنی ۱/۱۵۱۔ حدیث ۱۳۶)

حضرت ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا : حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں تھے۔ آپ نے پانی طلب فرمایا۔ ایک کسان چاندی کے برتن میں پانی لے آیا۔ آپ نے پيالہ اس کے منہ پر دے مارا۔ پھر فرمایا : میں نے اسے اس لیے دے مارا کہ میں نے اسے اس سے منع کیا تھا مگر یہ باز نہیں آیا، جبکہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں باریک اور موٹا ریشم پہننے سے اور سونے چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا اور فرمایا تھا کہ ”یہ دنیا میں ان (کافروں) کے لیے ہیں اور آخرت میں ہمارے لیے“۔ (صحیح البخاری کتاب الاشربة باب الشرب فی آنية الفضة، ح ۵۶۳۲)

مسند احمد کی روایت میں عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کا یہ واقعہ ان الفاظ میں آیا ہے : میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کہیں باہر نکلا تو آپ نے پانی طلب فرمایا۔ ایک کسان چاندی کے برتن میں پانی لے آیا۔ آپ نے برتن اس کے منہ پر دے مارا۔ ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں : ہم نے ایک دوسرے سے کہا : خاموش رہو۔ اگر ہم نے سوال کیا تو آپ ہمیں بات =

(۶) مسئلہ سے لاعلم اور جانتے بوجھتے غلطی کرنے والے میں فرق کرنا:

اس کی ایک واضح مثال حضرت معاویہ بن حکم سلمیؓ کا واقعہ ہے۔ وہ صحرائی زندگی گزارنے والے آدمی تھے۔ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو انہیں معلوم نہیں تھا کہ نماز کے دوران بات چیت کرنا حرام ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

= نہیں بتائیں گے۔ کچھ دیر کے بعد آپؐ نے فرمایا: جانتے ہو میں نے پیالہ اس کے منہ پر کیوں دے مارا تھا؟ ہم نے کہا: جی نہیں۔ فرمایا: میں نے اسے منع کیا تھا (لیکن اس نے پھر یہی حرکت کی)۔ اور فرمایا: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ”سونے کے برتنوں میں نہ پیا کرو“۔ حضرت معاذؓ سے یہی حدیث ان الفاظ میں مروی ہے: ”سونے یا چاندی کے برتن میں نہ پو، نہ باریک یا موٹا ریشم پنو، یہ چیزیں دنیا میں ان (کافروں) کے لئے ہیں اور آخرت میں تمہارے لئے“۔ (مسند احمد ۵/۳۹۶)۔

امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت سیرینؓ نے حضرت انسؓ سے مکاتبت کی درخواست کی۔ حضرت انسؓ صاحب ثروت تھے، تاہم انہوں نے یہ درخواست قبول نہ کی۔ سیرینؓ نے حضرت عمرؓ کو جانتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت انسؓ سے فرمایا: اس سے مکاتبت کرلو۔ انسؓ نے انکار کیا، تو عمرؓ نے انہیں کوڑا مارا، اور یہ آیت پڑھی: ﴿فَكَاتَبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا﴾ ”اگر تمہیں ان غلاموں میں خیر نظر آئے تو ان سے مکاتبت کر لیا کرو“۔ چنانچہ انسؓ نے مکاتبت کر لی۔ (فتح الباری ۵/۱۸۳)

امام نسائیؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ نماز پڑھ رہے تھے، اچانک مروان بن الحجاجؓ کا ایک بیٹا ان کے سامنے سے گزرنے لگا۔ انہوں نے (اشارے سے) روکا، وہ نہ رکا، انہوں نے اسے مارا۔ بچہ رونے لگا اور مروانؓ کو جا کر بتایا۔ مروانؓ نے ابو سعیدؓ سے کہا: آپ نے اپنے بھتیجے کو کیوں مارا؟ انہوں نے فرمایا: میں نے اسے نہیں مارا، میں نے شیطان کو مارا ہے۔ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا: ”جب کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے سامنے سے کوئی انسان گزرنا چاہے تو جہاں تک ہو سکے اسے روکے، اگر نہ رکے تو اس سے لڑے، وہ شیطان ہے“۔ (سنن النسائی، کتاب القسامۃ باب ۴۷ ح ۳۸۷۷) علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے، ملاحظہ ہو صحیح سنن النسائی ح ۴۵۱۸۔

”میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک نمازی کو چھینک آگئی۔ میں نے (نماز کے دوران ہی) کہہ دیا: ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مجھے گھور کر دیکھا تو میں نے کہا: ہائے میں مر جاؤں! تم لوگ

= حضرت ابو النضر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں تکلیف تھی۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لیٹ گئے۔ ان کے بھائی رضی اللہ عنہ تشریف لائے، انہیں اس طرح لیٹے دیکھا تو ان کی دکھتی ٹانگ پر ہاتھ مارا جس سے انہیں تکلیف ہوئی۔ انہوں نے کہا: آپ نے میری ٹانگ کو تکلیف پہنچائی ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ دکھتی ہے؟ فرمایا: ہاں (معلوم تھا)۔ انہوں نے کہا: پھر آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے فرمایا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس (طرح لیٹنے) سے منع فرمایا ہے۔ (مسند احمد ۳/۴۲)

حضرت ابو زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے سے اس کی بہن کا رشتہ مانگا۔ لڑکی کے بھائی نے (بات چیت کے دوران) ذکر کر دیا کہ لڑکی سے ناجائز تعلق کی غلطی سرزد ہو چکی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے اس شخص (لڑکی کے بھائی) کو چپا، یا سختی سے سرزنش کی۔ اور فرمایا: تو نے یہ بات کیوں بتائی؟ (موطا امام مالک، حدیث ۱۵۵۳، روایت ابو معب زہری)

حضرت ابو اسحاقؒ نے فرمایا: میں بڑی مسجد میں حضرت اسود بن یزید کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارے ساتھ امام شعبیؒ بھی تھے۔ شعبی نے حضرت فاطمہ بنت قیس (رضی اللہ عنہا) والی حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رہائش اور خرچ نہیں دلویا تھا۔ حضرت اسود نے کچھ کنکریاں پکڑ کر شعبی کو ماریں اور فرمایا: تم یہ حدیث بیان کرتے ہو حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ہم ایک عورت کی وجہ سے اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت نہیں چھوڑ سکتے۔ معلوم نہیں، اس خاتون کو واقعہ یاد بھی رہا ہے یا نہیں۔ بلکہ (تین طلاق والی) عورت کو (عدت کے دوران) رہائش اور خرچ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ...﴾ ”عورتوں کو ان کے گھروں سے مت نکالو، نہ وہ خود نکلیں، الا یہ کہ وہ واضح بے حیائی کی مرتکب ہوں“ (صحیح مسلم کتاب الطلاق باب المطلقة ثلاثا لافقة لها، ح ۱۳۸۰)

میری طرف اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟ انہوں نے اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر مجھے خاموش کرانا چاہا۔ میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرانا چاہتے ہیں تو میرا جی چاہا کہ انہیں جواب دوں) لیکن (اپنے آپ پر ضبط کر کے) میں خاموش ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز مکمل کر لی تو — میرے ماں باپ آپ پر قربان‘ میں نے کوئی معلم آنحضرتؐ سے بہتر انداز سے تعلیم دینے والا نہیں دیکھا — اللہ کی قسم، حضور ﷺ نے نہ مجھے جھڑکا، نہ مارا، نہ برا بھلا کہا، بس یہ فرمایا:

((إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ))

”اس نماز میں لوگوں والی باتیں کرنا درست نہیں، اس میں تو تسبیح و تکبیر اور تلاوت ہوتی ہے۔“ (۱۷)

یعنی جاہل کو تعلیم دینے کی ضرورت ہوتی ہے، جسے کوئی شبہ یا غلط فہمی ہو اسے مسئلہ کی وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے، غافل کو یاد دہانی چاہیے، اور غلطی پر اصرار کرنے والے کو نصیحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا یہ کسی طرح بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا کہ مسئلہ سے واقف اور ناواقف کو ایک ہی انداز

= امام ابو داؤد نے حسن سند کے ساتھ یہ اہت کیا ہے کہ دو آدمی کندہ کے دروازوں کی طرف سے آئے۔ ابو مسعود انصاریؓ ایک حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ ان دونوں آدمیوں نے کہا: ہے کوئی شخص جو ہمارے درمیان فیصلہ کرے؟ حلقہ میں موجود ایک شخص بولا: میں کرتا ہوں۔ حضرت ابو مسعودؓ نے ہاتھ میں کنکریاں پکڑ کر اسے دے ماریں اور فرمایا: ”رُک جاؤ، صحابہ کرامؓ اس طرح جلدی سے منصف بن جانا پسند نہیں کرتے تھے۔“ (سنن ابو داؤد، کتاب الاقضية، باب فی طلب القضاء والتسرع الیہ، ح ۳۵۷۷)

(۱۷) صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب تحریم الکلام فی الصلاة ح ۵۳۷۔

سے تنبیہ کی جائے۔ بلکہ جاہل پر سختی کرنے سے عام طور پر اس کے دل میں نفرت اور انکار کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اگر پہلے حکمت کے ساتھ نرمی سے سمجھایا جائے تو ایسا نہیں ہوتا۔ مسئلہ سے ناواقف شخص اپنے آپ کو غلطی پر تصور نہیں کر رہا ہوتا، لہذا جب اس پر تنقید کی جاتی ہے تو وہ گویا زبانِ حال سے کہہ رہا ہوتا ہے: بھائی! مجھ پر حملہ کرنے سے پہلے آپ نے مجھے مسئلہ تو بتایا ہوتا۔ بعض اوقات غلطی کرنے والا غیر شعوری طور پر درست راہ سے ہٹ گیا ہوتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات وہ خود کو صحیح راستے پر تصور کر رہا ہوتا ہے۔ لہذا اس چیز کا لحاظ رکھا جانا چاہیے۔ مسند احمد میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کھانا تناول فرمایا۔ پھر نماز کی اقامت ہوئی تو آنحضرت ﷺ نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے اس سے پہلے وضو کیا ہوا تھا، لیکن میں (دوبارہ) وضو کے لئے پانی لے آیا۔ حضور علیہ السلام نے مجھے جھڑک دیا۔ فرمایا: ”پیچھے رہو“۔ مجھے اس سے بہت تکلیف ہوئی۔ نماز کے بعد میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات بتائی۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! مغیرہؓ آپ کی سرزنش کی وجہ سے بہت دلگیر ہیں۔ وہ ڈرتے ہیں کہ آپ کے دل میں ان سے ناراضگی تو نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میرے دل میں تو اس کے لئے اچھے جذبات ہی ہیں، لیکن وہ میرے پاس وضو کے لئے پانی لے آیا تھا، حالانکہ میں نے صرف کھانا کھایا تھا۔ اگر میں وضو کرتا تو میری اتباع میں سب لوگ (کھانا کھا کر) وضو کیا کرتے (جس سے امت کے لئے مشقت ہوتی)۔“ (۱۸)

یہاں یہ امر ملحوظ رہنا چاہیے کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس عظیم مقام پر فائز تھے کہ آنحضرت ﷺ کے انہیں غلطی پر متنبہ کرنے سے ان کے دلوں میں کوئی

ناپسندیدگی یا ذہنی بُعد جیسے منفی اثرات پیدا ہونے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کا ان پر مثبت اثر ہوتا تھا۔ چنانچہ اگر آنحضرت ﷺ ان میں سے کسی سے عدم التفات کا اظہار فرماتے تھے تو وہ اپنے آپ کو قصور وار تصور کرتا اور ڈرا سہا رہتا تھا۔ وہ اُس وقت تک بہت پریشان رہتا تھا جب تک اسے یقین نہ ہو جاتا کہ آنحضرت ﷺ کی ناراضگی دُور ہو چکی ہے۔

اس واقعہ میں یہ بات بھی توجہ کے قابل ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب مغیرہ بنی النضر پر عتاب فرمایا تو اس کی وجہ حضرت مغیرہ بنی النضر کی شخصیت سے ناراضگی نہیں، بلکہ آنحضرت ﷺ کی عام مسلمانوں پر شفقت اور مسئلہ کی وضاحت تھی، تاکہ وہ غیر واجب کو واجب سمجھ کر مشکل میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

شاگرد اور پیروکار کے دل میں استاد اور قائد کا مقام بہت بلند ہوتا ہے، لہذا جب وہ کسی شاگرد یا پیروکار کو تنبیہ کرتا ہے یا اس کے کسی کام کو غلط قرار دیتا ہے تو اس کے دل میں اس کا بہت اثر ہوتا ہے۔ بعض اوقات تربیت کا فریضہ انجام دینے والا شخص عام لوگوں کے فائدہ کے پیش نظر اپنے کسی ساتھی کو تنبیہ کرتا ہے اور مقصود دوسرے لوگوں سے متعلق کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے دل میں منفی اثر باقی رہنے دیا جائے بلکہ دوسرے طریقوں سے اس کا تدارک ہونا چاہیے تاکہ وہ اثر ختم ہو جائے۔ مثلاً پیروکار کسی مناسب طریقے سے اپنے جذبات کا اظہار کر سکتا ہے اگرچہ کسی کے واسطے سے ہی ہو۔ جیسے حضرت مغیرہ بنی النضر نے حضرت عمر بنی النضر کے ذریعہ اپنے جذبات آنحضرت ﷺ تک پہنچائے۔ اس کے جواب میں قائد کی طرف سے موقف کی وضاحت کر کے یہ واضح کیا جانا چاہیے کہ وہ اس سے حسن ظن رکھتا ہے اور اس کے دل میں اس کا ایک مقام ہے۔

ے) اجتہاد کی بناء پر ہونے والی غلطی میں اور جان بوجھ کر یا غفلت اور کوتاہی سے ہونے والی غلطی میں فرق ہے :

پہلی قسم کی غلطی کا مرتکب تو یقیناً ملامت کا مستحق نہیں، بلکہ وہ اپنے اخلاص و اجتہاد کی بنا پر ثواب پائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

((إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ ، وَإِذَا حَكَمَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ)) (۱۹)

”فیصلہ کرنے والا جب فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد صحیح ہو جائے تو اسے دو گنا ثواب ملے گا اور اگر اس سے فیصلہ میں غلطی ہو گئی تو اسے اکرا ثواب ملے گا۔“

اس کے برعکس جو شخص جان بوجھ کر غلطی کرے یا غلطی میں خود اس کی کوتاہی کا دخل ہو تو اس کا یہ حکم نہیں۔ پہلے آدمی سے خیر خواہی کا سلوک کرتے ہوئے اسے صحیح مسئلہ بتایا جائے گا، دوسرے کو وعظ و نصیحت کر کے غلطی سے روکا جائے گا۔

وہ اجتہاد جس میں غلطی کرنے والے کو معذور قرار دیا جاسکتا ہے، اس کی شرط یہ ہے کہ اجتہاد کرنے والا اس کا اہل ہو اور اس پر عمل ہو سکتا ہو۔ اس کے برعکس جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دیتا ہے یا لوگوں کے حالات کی رعایت نہیں کرتا، اس کا اجتہاد درست نہیں۔ اسی لئے زخمی شخص کو غسل کا فتویٰ دینے والے صحابہ کرام کو آنحضرت ﷺ نے سختی سے تنبیہ فرمائی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا :

”ہم لوگ سفر میں تھے، ہم میں سے ایک صاحب کو پتھر لگا جس سے ان کے

(۱۹) سنن الترمذی، کتاب الاحکام، باب فی القاضی یصیب ویخطیء، ح ۱۳۲۶۔ ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ صحیح البخاری ح ۶۹۱۹ و صحیح مسلم ح ۱۷۱۶۔

سر میں زخم آگیا۔ اس کے بعد انہیں نیند میں نہانے کی حاجت ہو گئی۔ انہوں نے اپنے ہم سفر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مسئلہ پوچھا اور کہا: کیا آپ کے علم کے مطابق میرے لئے تیمم کرنا جائز ہے؟ انہوں نے کہا: ہمارے خیال میں تو آپ کو یہ اجازت حاصل نہیں، کیونکہ پانی موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے غسل کیا جس کے نتیجے میں وہ فوت ہو گئے۔ جب ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو یہ واقعہ بھی عرض کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ، أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا؟ فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ)) ”انہوں نے اسے قتل کر دیا، اللہ انہیں قتل کرے! اگر انہیں معلوم نہیں تھا تو انہوں نے (کسی صاحبِ علم سے) پوچھ کیوں نہ لیا؟ کیونکہ لاعلمی کا علاج سوال کرنا ہے۔“ (۲۰)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے:

((الْقِضَاءُ ثَلَاثَةٌ، وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ فِي النَّارِ، فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ، وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ قَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ)) (۲۱)

”فیصلہ کرنے والے تین طرح کے ہیں، ان میں سے ایک جنتی ہے اور دو جہنمی ہیں۔ جنت میں تو وہ جائے گا جس نے حق کو سمجھ کر اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ البتہ جس نے حق کو سمجھ لیا، پھر غلط فیصلہ کیا، وہ جہنم میں جائے گا۔ اسی طرح جس نے حق کو سمجھے بغیر بے علمی کے باوجود فیصلہ کر

(۲۰) سنن ابی داود، کتاب الطہارۃ، باب المجروح یتیم ح ۳۲۶۔

علامہ البانی نے حسن قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح ابی داود ح ۳۲۵۔

(۲۱) سنن ابی داود، کتاب الاقضية، باب فی القاضی یخطی ء ح ۳۵۷۔

علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (ارواء الغلیل ح ۲۱۶۳)

دیا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔“

اس حدیث میں آپ ﷺ نے اس تیسری قسم کے آدمی کو معذور قرار نہیں دیا۔
تنبیہ میں شدت کا درجہ متعین کرنے میں جن امور کا دخل ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس ماحول کو مد نظر رکھا جائے جس میں غلطی کا صدور ہوا ہے۔ مثلاً اس ماحول میں اکثر لوگ سنت پر عمل کرنے والے ہیں یا بدعت کا رواج ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اس ماحول میں وہ غلطی کتنی عام ہے، یا اس کے جواز کا فتویٰ دینے والا کوئی نام نہاد یا مسائل عالم تو موجود نہیں جس کے علم پر اس غلطی کا ارتکاب کرنے والا اعتماد کرتا ہو۔

(۸) غلطی کرنے والے کی خیر خواہی، تنبیہ کرنے سے رکاوٹ نہیں بن سکتی:

حضرت عمرو بن یحییٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے اپنے والد سے سنا، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ہم لوگ صبح کی نماز سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ڈیوڑھی پر (انتظار میں) بیٹھ جایا کرتے تھے۔ جب وہ گھر سے باہر تشریف لاتے تو ہم ان کے ساتھ مسجد میں جاتے۔ (ایک دن) ہمارے پاس حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا: کیا ابھی تک ابو عبد الرحمن (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) باہر نہیں آئے؟ ہم نے کہا: جی نہیں۔ وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے حتیٰ کہ وہ باہر تشریف لے آئے۔ جب وہ آئے تو ہم سب اکٹھے ہی اٹھ کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: ابو عبد الرحمن! میں نے ابھی ابھی مسجد میں ایک کام دیکھا ہے جو مجھے عجیب سا محسوس ہوا ہے، ویسے الحمد للہ میں نے اچھی چیز ہی دیکھی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ کام کیا ہے؟ انہوں نے کہا: زندگی رہی تو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے۔ پھر فرمایا: میں نے مسجد میں کچھ لوگ نماز کے انتظار میں حلقے بنا کر بیٹھے

دیکھے ہیں، ان کے سامنے کنکریاں پڑی ہیں، ہر حلقہ میں ایک آدمی ہے، وہ کہتا ہے : سو بار اللہ اکبر پڑھو، وہ سو بار اللہ اکبر کہتے ہیں۔ پھر کہتا ہے : سو بار لاَ اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو، وہ سو بار لاَ اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں۔ پھر کہتا ہے : سو بار سبحان اللّٰهُ کہو، وہ سو بار سبحان اللّٰهُ کہتے ہیں (اسی طرح ذکر میں مشغول ہیں)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا : پھر آپ نے انہیں کیا کہا؟ انہوں نے کہا : میں نے کچھ نہیں کہا، بلکہ آپ کی رائے اور حکم کا انتظار کیا۔ انہوں نے فرمایا : آپ نے انہیں یہ حکم کیوں نہ دیا کہ وہ اپنے گناہ شمار کریں، اور انہیں یہ ضمانت کیوں نہ دی کہ ان کی کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی؟

اس کے بعد وہ (مسجد کی طرف) چل پڑے۔ ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ چلے۔ حتیٰ کہ آپ ان حلقوں میں سے ایک حلقے کے پاس جا کھڑے ہوئے اور فرمایا : میں تمہیں یہ کیا کرتے دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے کہا : اے ابو عبد الرحمن! یہ کنکریاں ہیں، ہم ان کے ساتھ گن کر تکبیر، تہلیل اور تسبیح کرتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ”اپنے گناہ شمار کرو، میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت! تم پر افسوس ہے، کتنی جلدی تم ہلاکت کے راستے پر چل پڑے ہو، ابھی تو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بکثرت موجود ہیں، ابھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بھی نہیں پھٹے، ابھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برتن بھی نہیں ٹوٹے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یا تو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے بھی زیادہ ہدایت والے راستے پر ہو، یا گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔“ انہوں نے کہا : ابو عبد الرحمن! اللہ کی قسم ہمارا ارادہ تو صرف نیکی کا ہے۔ فرمایا : ”بہت سے لوگ نیکی کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن انہیں نیکی تک پہنچنا نصیب نہیں ہوتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ہمیں یہ بتایا تھا کہ کچھ لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا (دل پر قرآن کا کوئی اثر نہیں ہوگا)۔ اللہ کی قسم! معلوم نہیں شاید ان میں سے اکثر تم لوگ ہی ہو۔“ یہ کہہ کر ان کے پاس سے چلے آئے۔ حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے جنگ نہروان میں دیکھا کہ ذکر کے وہ حلقے قائم کرنے والوں میں سے اکثر افراد خارجیوں کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف لڑ رہے تھے۔“ (۲۲)

(۹) غلطی پر تنبیہ کرنے میں انصاف اور غیر جانبداری کا خیال رکھنا:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدُوا﴾ (الانعام: ۱۵۲) ”جب تم بات کرو تو انصاف کرو۔“ اور فرمایا: ﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء: ۵۸) ”جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔“

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی اور ان کے والد سے بھی بہت محبت تھی۔ لیکن اس کے باوجود جب انہوں نے اللہ کی مقرر کردہ حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرنے کی کوشش کی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سختی سے تنبیہ فرمائی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فتح مکہ کے ایام میں جس عورت نے چوری کی تھی، اس کے بارے میں خاندان قریش کے افراد کو بہت فکر ہوئی (کہ اب اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا)۔ انہوں نے کہا:

(۲۲) سنن الدارمی ۱/ ۶۸ المقدمۃ، باب فی کراہیۃ اخذ الزرای ح ۲۱۰۔

علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ

ح ۲۰۰۵/۵-۱۱

اس کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کون عرض کرے گا؟ تب انہوں نے کہا: یہ جرات تو صرف اُسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) ہی کر سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو بہت پیارے ہیں۔ جب اس خاتون کو آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت اُسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) نے اس کے بارے میں عرض کیا۔ اس پر جناب رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ (غصے کی وجہ سے) متغیر ہو گیا۔ اور فرمایا: ”کیا تو اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں شفاعت کرتا ہے؟“ اُسامہ بنی ہاشم نے (اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے) عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا فرمائیے۔

شام کو جناب رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ پہلے اللہ کی شایان

شان تعریف فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا:

((اَمَّا بَعْدُ، فَاِنَّمَا اَهْلِكَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرْكُوْهُ وَاِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَاِنِّيْ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَوَ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))

”اللہ کی حمد و ثنا کے بعد واضح ہو کہ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ ہوئے کہ ان میں جب کوئی اونچا آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے، اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کر لیتا تھا تو اس پر حد نافذ کر دیتے تھے۔ مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔“

پھر آپ ﷺ نے اس چوری کرنے والی عورت کے بارے میں حکم دیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ (۲۳)

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

نسائی کی روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا : ایک عورت نے معروف لوگوں کے نام لے کر کچھ زیور عاریت کے طور پر حاصل کئے، وہ خود غیر معروف تھی۔ اس نے وہ زیور بیچ کر رقم حاصل کر لی۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس کے گھر والوں نے حضرت أسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) سے رابطہ کیا۔ حضرت أسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا : ”کیا تو اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتا ہے؟“۔ أسامہ بن زید نے عرض کیا : اللہ کے رسول! میرے لئے بخشش کی دعا کیجئے۔

اسی شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنایاں فرمائی جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ پھر فرمایا :

((أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّمَا هَلَكَ النَّاسُ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ الشَّرِيفُ فِيهِمْ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ الضَّعِيفُ فِيهِمْ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))

”اما بعد، تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ ان میں جب کوئی اونچا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔“

(۲۳) صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب ۵۲ ح ۳۲۸۸ و صحیح مسلم، کتاب الحدود باب قطع السارق الشریف وغیرہ ح ۱۲۸۸۔

اس کے بعد اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ (۲۴)

حضرت اُسامہ بن زیدؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے رویہ سے آپؐ کا عدل و انصاف ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نظر میں شریعت انسانوں کی محبت سے بالاتر مقام کی حامل تھی اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان اس شخص کو تو معاف کر سکتا ہے جس کی غلطی کا تعلق اس کی ذات سے ہو، لیکن جس کی غلطی کا تعلق شریعت کے احکام سے ہو اسے نہ معاف کر سکتا ہے نہ اس سے نرمی کر سکتا ہے۔

بعض لوگ اپنے دوست یا رشتہ دار کی غلطی پر اس شدت سے تنقید نہیں کرتے جس طرح کسی اجنبی کی غلطی پر کرتے ہیں، اور بعض اوقات اس بنیاد پر معاملات میں واضح طور پر خلاف شریعت حد تک جانبداری اور امتیاز نظر آتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی اپنے دوست کی غلطی کو نظر انداز کر دیتا ہے، جب کہ دوسرے کی غلطی پر سخت رویہ اپناتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

وَعَيْنُ الرِّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِيلَةٌ

وَلَكِنَّ عَيْنَ الشُّحْطِ تُبْدِي الْمَسَاوِيَا

”خوشنودی کی آنکھ کو کوئی عیب نظر نہیں آتا، لیکن ناراضگی کی آنکھ

بڑیاں ہی ظاہر کرتی ہے۔“

یہی کیفیت اس موقع پر نظر آتی ہے جب ہم دوسروں کے کسی عمل کا مقام متعین کرتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص جس سے ہمیں محبت ہے، اس سے ایک فعل سرزد ہوتا ہے تو ہم اس کا ایک اچھا محمل تلاش کر لیتے ہیں، اور وہی فعل کسی اور سے

(۲۴) سنن النسائی، کتاب قطع السارق، باب ۶ ح ۴۹۱۳۔ علامہ البانی نے

حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح سنن النسائی ح ۴۵۳۸۔

سرزد ہوتا ہے تو ہم اسے کسی اور چیز پر محمول کر لیتے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام باتیں اس صورت میں ہیں جب حالات ایک جیسے ہوں، ورنہ بعض دوسرے امور کے پیش نظر نظر ہر ایک جیسے دو معاملوں میں مختلف طرز عمل اختیار کیا جاسکتا ہے، جیسے کہ آئندہ سطور میں بیان ہوگا۔

۱۰) ایک غلطی کی اصلاح کے نتیجہ میں بڑی غلطی وجود میں نہ آجائے:

شریعت کا یہ قاعدہ معروف ہے کہ بڑی بُرائی کو دور کرنے کے لئے چھوٹی بُرائی کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اصلاح کرنے والے کو بعض اوقات ایک غلطی پر خاموشی اختیار کرنا پڑتی ہے تاکہ اس سے بڑی غلطی کا ارتکاب نہ ہو جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یقینی طور پر معلوم تھا کہ منافق کفر پر قائم ہیں، اس کے باوجود آپ خاموش رہے اور ان کی طرف سے دی جانے والی تکلیفوں پر صبر کرتے رہے، تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ محمد ﷺ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ اور خاص طور پر اس لئے بھی حضور ﷺ خاموش رہے کہ عام لوگ ان منافقین کی حقیقت سے واقف نہیں تھے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے کعبہ شریف کو ابراہیم علیہ السلام کی مقرر کردہ بنیادوں پر تعمیر کرنے کے لئے اسے گرانے سے صرف اس لئے اجتناب کیا کہ قریش کے اکثر لوگ حال ہی میں اسلام میں داخل ہوئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ ان کی سمجھ میں اس کی حکمت نہیں آئے گی۔ اس لئے عمارت کو اسی طرح رہنے دیا، حالانکہ وہ اصل ابراہیمی تعمیر سے رقبہ میں کم تھی، اس کا دروازہ بھی اونچا بنا دیا گیا تھا اور عام لوگ کعبہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ سب امور ایسے تھے جیسے نہیں ہونے چاہئیں تھے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے باطل معبودوں

کو برا بھلا کہنے سے منع فرما دیا تھا — حالانکہ یہ ایک نیک کام ہے — کیونکہ اس کے نتیجے میں مشرکین اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر سکتے تھے، جو سب سے بڑی بُرائی ہے۔

بعض اوقات داعی ایک بُرائی کو دیکھ کر خاموش ہو جاتا ہے، یا اس پر تنقید کو وقتی طور پر مؤخر کر دیتا ہے، یا اس سے منع کرنے کا طریق کار تبدیل کر دیتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس طرح ایک بڑی غلطی یا گناہ کا سدِّ باب ہو سکتا ہے۔ اس اقدام کو کو تاہی یا پسائی کا نام نہیں دیا جاسکتا، بشرطیکہ اس کی نیت درست ہو اور اس کے دل میں کسی کی ملامت کا خوف نہ ہو، اور وہ بزدلی کی وجہ سے نہیں بلکہ دین کی مصلحت کے لئے اس سے رُکاوہ۔

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ایک غلطی سے منع کرتے ہوئے اس سے بڑی غلطی کے ارتکاب کی ایک وجہ ایسا جوش بھی ہے جس کے ساتھ حکمت کو مدِّ نظر نہ رکھا گیا ہو۔

(۱۱) غلطی کرنے والے کی فطری کمزوری کا احساس :

بعض غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن کو مکمل طور پر ختم کرنا ممکن نہیں ہوتا، کیونکہ ان کا تعلق کسی فطری معاملہ سے ہوتا ہے، البتہ ان غلطیوں کو کم یا ہلکا کیا جاسکتا ہے، کیونکہ زیادہ باریک بینی کے نتیجے میں کوئی حادثہ بھی پیش آسکتا ہے، جیسے کہ عورت کا معاملہ ہے، جس کے بارے میں ارشادِ نبویؐ ہے :

((إِنَّ الْمَرْءََةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيمَ لَكَ عَلَى طَرِيقَةٍ

فَإِنْ اسْتَمْتَعَتْ بِهَا اسْتَمْتَعَتْ بِهَا وَبِهَا عَوْجٌ وَإِنْ ذَهَبَتْ

تَقِيمَهَا كَسَرَتْهَا، وَكَسَرْتُهَا طَلَّاقُهَا)) (۲۵)

(۲۵) صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیة بالنساء ح ۱۳۶۸۔

”عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے، وہ کسی طرح بھی (مکمل طور پر) سیدھی نہیں ہو سکتی۔ اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اس کبھی کی موجودگی میں ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اگر تو اسے سیدھا کرنے لگے گا تو اسے توڑ بیٹھے گا۔ اس کے ٹوٹنے سے مراد طلاق ہے۔“

ایک دوسری روایت میں ہے :

((اِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبَتْ نُقِيمُهُ كَسَّرَتْهُ، وَإِنْ تَرَكَتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا)) (۲۶)

”میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ عورتوں سے بھلائی کرتے رہنا، کیونکہ عورتوں کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے، اور پسلی اوپر کی طرف سے زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اگر تو اس کو سیدھا کرنا چاہے گا تو اسے توڑ ڈالے گا اور اگر رہنے دے گا تو ٹیڑھی ہی رہے گی۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ عورتوں سے بھلائی کرتے رہنا۔“

امام ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا : ”فرمانِ نبویؐ“ عورتوں سے بھلائی کرتے رہنا“ میں یہ اشارہ ہے کہ نرمی سے سیدھا کیا جائے، اس میں نہ تو اتنی شدت برتی جائے کہ ٹوٹنے (طلاق) تک نوبت پہنچ جائے، نہ اسے ویسے ہی رہنے دے کہ وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے.... اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے فطری نقص سے زیادہ ٹیڑھی ہو جائے یعنی کسی گناہ کا ارتکاب کرے یا کسی فرض کو ترک کرے تو اسے اتنی کبھی کی حامل نہیں رہنے دینا چاہیے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جائز کاموں میں اس کی کبھی برداشت کرے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تالیفِ قلب کے لئے لوگوں سے نرمی کا سلوک کرنا چاہیے۔ اس میں

(۲۶) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الوصاة بالنساء ح ۳۸۹۰۔

عورتوں سے بہتر سلوک کی ہدایت بھی ہے کہ ان کی غلطیوں کو معاف کیا جائے اور ان کی کجی پر صبر کیا جائے، اور جو شخص انہیں بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا وہ ان سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہو جائے گا، حالانکہ انسان کو ایک عورت کی ضرورت بہر حال ہوتی ہے، تاکہ اس سے تسکین حاصل ہو اور زندگی بسر کرنے میں اس کی مدد حاصل رہے۔ گویا کہ آنحضرت ﷺ یوں فرما رہے ہیں: اس سے فائدہ صرف اسی صورت میں اٹھایا جاسکتا ہے جب اس کی کوتاہیوں پر صبر کیا جائے۔“ (۲۷)

(۱۲) دین کی مخالفت اور کسی کی ذات پر حملہ میں فرق ہے :

چونکہ ہماری نظر میں ہمارے دین کی قدر و قیمت ہماری ذات اور شخصیت کی قیمت سے کہیں بڑھ کر ہے، اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم دین کی حمایت و دفاع میں اپنی شخصیت کے دفاع کی نسبت زیادہ غیرت کا مظاہرہ کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک شخص کو گالی دی جاتی ہے تو اسے غصہ آتا ہے لیکن جب دین کی توہین یا مخالفت کی جاتی ہے تو اسے یا تو غصہ آتا ہی نہیں، یا وہ جواب دیتا بھی ہے تو بڑے کمزور لہجے میں شرماتے اور جھجکتے ہوئے بات کرتا ہے۔ یہ دینی غیرت کی کمزوری کی دلیل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ اپنی ذات اقدس سے متعلق دوسروں کی غلطیوں سے اکثر چشم پوشی فرماتے تھے، خصوصاً جاہل بدوؤں کی تالیفِ قلب کے لئے ان کی نامناسب حرکتیں معاف فرمادیتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں فرمایا: ”میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلا جا رہا تھا، آنحضرت ﷺ نے مولے کنارے

والی نجرانی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ ایک بڑو پیچھے سے آیا اور آپؐ کی چادر مبارک پکڑ کر اسے زور سے کھینچا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی گردن مبارک پر چادر کے کنارہ کی رگڑ سے نشان پڑ گیا۔ پھر وہ بولا : یا محمد! آپ کے پاس اللہ کا جو مال ہے اس میں سے مجھے بھی دلوائیے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور ہنس دیئے، پھر اسے کچھ مال دلوا دیا۔“ (۲۸)

البتہ اگر غلطی کا تعلق دین سے ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اللہ کی خاطر غضب ظاہر فرماتے تھے۔ اس کی مثالیں آگے آئیں گی۔

پیش نظر رکھے جانے والے بعض دیگر امور :

غلطیوں کے بارے میں ہمارے رویہ میں کچھ اور چیزوں کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً :

○ بڑی غلطی اور چھوٹی غلطی میں امتیاز کریں۔ خود شریعت نے بھی کبیرہ گناہوں اور صغیرہ گناہوں کو ایک درجہ میں نہیں رکھا۔

○ گناہ کے عادی شخص اور شاندار ماضی والے ایسے انسان کے درمیان فرق ہوتا ہے جس کی غلطی اس کی عظیم نیکیوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ماضی میں کارنامے انجام دینے والے شخص کی ایسی بات کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے جو اگر کوئی اور کرے تو نظر انداز نہیں کی جاتی۔ اس کی وضاحت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے ہو سکتی ہے۔

حضرت آساء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا : ہم

(۲۸) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب البرود و العبر و الشملة

لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ جب ہم مقام ”عرج“ پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے پڑاؤ ڈالا۔ ہم بھی سوار یوں سے اتر آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں۔ میں اپنے والد محترم رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گئی۔ جناب رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ دونوں کا سامان ایک ہی اونٹ پر تھا، جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ایک غلام کی ذمہ داری میں تھا۔ حضرت ابو بکرؓ بیٹھ کر اس کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ (کچھ دیر بعد) غلام آپہنچا لیکن اونٹ اس کے ساتھ نہیں تھا۔ ابو بکرؓ نے فرمایا: ”تمہارا اونٹ کہاں ہے؟“ اس نے کہا: ”وہ تو رات کو گم ہو گیا۔“ ابو بکرؓ نے غلام سے فرمایا: ”ایک اونٹ بھی تجھ سے گم ہو گیا؟“ اور اسے مارنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا، اور ارشاد فرمایا: ”ان احرام والے حاجی صاحب) کو دیکھو، کیا کر رہے ہیں؟“ ابن ابی رزمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”جناب رسول اللہ ﷺ صرف یہی بات فرماتے رہے: ”دیکھو یہ حاجی صاحب کیا کر رہے ہیں“ اور مسکراتے رہے۔“ (۲۹)

○ بار بار غلطی کرنے والے اور پہلی بار غلطی کرنے والے میں فرق ملحوظ رکھا جائے۔

○ یکے بعد دیگرے غلطی کا ارتکاب کرنے والے میں اور طویل عرصہ بعد دوبارہ غلطی کرنے والے میں فرق کا خیال کیا جائے۔

○ سرعام غلطی کرنے والے اور چھپ کر وہی غلطی کرنے والے میں فرق

(۲۹) سنن ابو داؤد، کتاب المناسک، باب المحرم یؤدب غلامه ح ۱۸۱۸۔

علامہ البانی نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو صحیح سنن ابی داؤد

مَدِّ نَظَرٍ رُكَّهَاجَئِ۔

○ جس شخص کا ایمان کمزور ہو اور اس کی تالیفِ قلب کی ضرورت ہو، اس پر سختی نہ کی جائے۔

○ غلطی کرنے والے کے مقام و مرتبہ کو پیش نظر رکھا جائے۔

ان امور کو ملحوظِ خاطر رکھنا اس عدل کے منافی نہیں جس کا کچھ پہلے ذکر ہوا۔

○ بچے کو غلطی پر تنبیہ کرتے وقت اس کی عمر کا خیال رکھا جائے۔ صحیح

بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر منہ میں ڈال لی تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”تھو، تھو، تجھے معلوم نہیں کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھایا کرتے۔“ (۳۰)

امام طبرانی رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی سوتیلی بیٹی حضرت زینب بنت ابی سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ غسل فرما رہے تھے کہ وہ اندر چلی گئیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے چلو بھر پانی لے کر میرے چہرے پر پھینکا اور فرمایا: ”اری، پیچھے رہ!“ (۳۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلطی کرنے والے کا بچہ ہونا اس کی غلطی کی اصلاح سے مانع نہیں، بلکہ یہ اس کی تربیت کا ایک جزو ہے، کیونکہ بچپن میں سنی ہوئی بات اس کے ذہن میں نقش ہو جاتی ہے اور مستقبل میں محفوظ رہتی ہے۔ مذکورہ بالا مثالوں میں پہلی حدیث میں یہ سبق ہے کہ بچے کو تقویٰ کی تعلیم دینی چاہیے اور دوسری حدیث میں یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ بچے کو اجازت لے کر اندر

(۳۰) صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب من تکلم بالفارسیۃ

ح ۳۰۷۲۔

(۳۱) المعجم الکبیر للطبرانی ۲۳/۲۸۱۔ امام بیہقی نے اسناد کو حسن کہا ہے۔

المجمع ۱/۲۶۹۔

آنے کی عادت ڈالی جائے اور سکھایا جائے کہ چھپانے کے قابل چیزوں کو نہیں دیکھنا چاہیے۔

اس سلسلہ کی ایک خوبصورت مثال چھوٹے بچے حضرت عمر بن ابی سلمہؓ (حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ کے بھائی) کی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں جناب رسول اللہ ﷺ کی کفالت میں تھا۔ (ایک بار آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھانا کھانے کے دوران) میرا ہاتھ برتن میں گردش کر رہا تھا (کبھی کہیں سے لقمہ لے لیا، کبھی کہیں سے) جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ((يَا غُلامُ سَمِّ اللَّهَ وَكُلْ بِمِمينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ)) ”لڑکے! اللہ کا نام لو، سیدھے ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے قریب سے کھاؤ“۔ صحابیؓ فرماتے ہیں: ”اس کے بعد سے میں ہمیشہ اسی طرح کھانا کھاتا ہوں“۔ (۳۲)

○ اجنبی عورتوں کو غلطی پر ٹوکنے میں احتیاط سے کام لیا جائے، تاکہ اس روک ٹوک کا کوئی غلط مطلب نہ لیا جائے، اور انسان فتنہ میں پڑنے سے محفوظ رہے۔ اس لئے جو ان لڑکے کو ڈھیل نہ دی جائے کہ جو ان لڑکی سے بات چیت کرے اور غلطی کی وضاحت، بڑائی سے ممانعت اور مسئلہ کی تعلیم کا بہانہ بنا لے۔ کیونکہ یہ عمل بہت سے مصائب کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔ اس میدان میں زیادہ کردار اُن اداروں کے افراد کو ادا کرنا چاہیے جن پر بڑائیوں کی روک تھام کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے، اور معمر بزرگوں کو ان سے تعاون کرنا چاہیے۔ نیکی کی دعوت دینے اور بڑائی سے منع کرنے والے کو چاہیے کہ عورتوں سے بات کرنے میں وہ اسلوب اختیار کرے جس کے مفید ہونے کا زیادہ امکان ہو۔ اگر اس کا

(۳۲) صحیح البخاری، کتاب الاطعمۃ، باب التسمیۃ علی الطعام

والا کل بالیمین ح ۵۳۷۶-

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

غالب گمان یہ ہو کہ بات کرنے سے فائدہ ہو گا تو بات کرے، ورنہ خاموش رہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی بد تمیز اپنی غلطی پر اصرار کرتے ہوئے روکنے والے پر کوئی نازیبا الزام لگا دے۔ بڑائی سے منع کرنے اور تبلیغ کے عمل میں معاشرے کا حال اور منع کرنے والے کا مقام اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ واقعہ پڑھے :

ابو زہم رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک عورت مسجد کی طرف جاتی نظر آئی جس نے خوشبو لگا رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا : ”جبار کی بندی! کدھر جا رہی ہے؟“ وہ بولی : ”مسجد میں جا رہی ہوں۔“ فرمایا : ”کیا اسی لئے خوشبو لگائی ہے؟“ اس نے کہا : ”جی ہاں۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد مبارک سنا ہے : ((أَيُّمَا امْرَأَةٍ تَطَيَّبَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ إِلَى الْمَسْجِدِ لَمْ تُقْبَلْ لَهَا صَلَاةٌ حَتَّى تَغْتَسِلَ)) ”جو عورت خوشبو لگا کر مسجد کی طرف چلے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، حتیٰ کہ غسل کرے۔“ (۳۳)

صحیح ابن خزیمہ میں یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ایک عورت گزری، اور اس کی خوشبو مہک رہی تھی۔ آپ نے اس سے فرمایا : ”جبار کی بندی! کہاں جا رہی ہو؟“ اس نے کہا : ”مسجد میں۔“ فرمایا : ”خوشبو لگا رکھی ہے؟“ اس نے کہا : ”جی ہاں۔“ فرمایا : ”واپس جا کر غسل کرو، میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا : ((لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْ امْرَأَةٍ صَلَاةً خَرَجَتْ إِلَى الْمَسْجِدِ وَرِيحُهَا تَعْصِفُ حَتَّى تَرْجِعَ فَتَغْتَسِلَ)) ”اللہ تعالیٰ اس عورت کی نماز قبول نہیں کرتا

(۳۳) سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب فتنۃ النساء، ح ۳۰۰۲۔ علامہ البانی

نے حدیث کو حسن صحیح کہا ہے (صحیح ابن ماجہ ۲/۲۶۹)

جو مسجد کی طرف اس حال میں جائے کہ اس کی خوشبو مہک رہی ہو، حتیٰ کہ واپس جا کر نہالے (تاکہ خوشبو کا اثر ختم ہو جائے)۔“ (۳۴)

○ غلطی کے اثرات مٹانے کی کوشش کرنے کی بجائے اصل غلطی اور اس کے سبب کو دور کیا جائے۔

○ غلطی کو مبالغہ کے ساتھ بڑھا چڑھا کر پیش نہ کریں۔

○ غلطی کو ثابت کرنے میں تکلف سے کام نہ لیں اور یہ کوشش نہ کریں

کہ غلطی کرنے والا اپنی زبان سے اپنی غلطی تسلیم کرے۔

○ غلطی کی اصلاح کے لئے مناسب حد تک وقت دیں۔ خاص طور پر ایسے

شخص کو اصلاح کا کافی موقع دیں جو طویل عرصہ تک اس غلطی کا عادی رہا ہے۔ ساتھ ہی اسے وقتاً فوقتاً تنبیہ کرتے رہیں اور دیکھیں کہ کس حد تک اصلاح ہو رہی ہے۔

○ غلطی کرنے والے کو یہ احساس نہ پیدا ہونے دیں کہ آپ اسے اپنا

مخالف سمجھتے ہیں۔ یہ امر پیش نظر رکھیں کہ اپنے موقف کی تائید حاصل کر لینے سے زیادہ اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ ایک شخص آپ کا ساتھی بن جائے۔

اس مقدمہ کے بعد اب کچھ ذرائع اور طریقے پیش خدمت ہیں، جو نبی

اکرم ﷺ نے لوگوں کی غلطیوں کے بارے میں اختیار فرمائے، جیسا کہ علمائے کرام کی روایت کردہ صحیح احادیث میں مذکور ہیں۔

(۳۴) صحیح ابن خزيمة ۳/ ۹۲ ح ۱۶۸۲۔ علامہ البانی نے حسن قرار دیا ہے۔

ومسند احمد ۲/ ۲۴۶۔ استاذ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو

ح ۳۵۰ تحقیق احمد شاکر۔

لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے نبی اکرم ﷺ کے اختیار کردہ مختلف اسلوب

(۱) غلطی کی فوری اصلاح:

نبی اکرم ﷺ تنبیہ فرمانے میں جلدی کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کے لئے یہ جائز نہیں تھا کہ جب وضاحت کی ضرورت ہو آپ اس وقت بیان کرنے کے بجائے اسے ملتوی کر دیں۔ آپ اس بات کے مکلف تھے کہ لوگوں کو حق بتائیں، نیکی کی طرف رہنمائی فرمائیں اور بڑائی سے روکیں۔ لوگوں کی غلطیوں کی فوری اصلاح کی مثال میں آنحضرت ﷺ کی زندگی میں پیش آنے والے متعدد واقعات ذکر کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً اس صحابی کا واقعہ جنہوں نے نماز اچھی طرح نہیں پڑھی تھی، بنو مخزوم کی خاتون کا واقعہ، ابن لُثیبہ کا واقعہ، حضرت اسامہ بن زید کا واقعہ اور ان تین حضرات کا واقعہ جنہوں نے عبادت میں جائز حد سے بڑھ کر شدت سے کام لینے کا ارادہ کیا تھا۔ ان واقعات کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔ ان شاء اللہ

غلطی پر تنبیہ کرنے میں تاخیر کی صورت میں بعض اوقات اصلاح کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے اور فائدہ حاصل نہیں ہوتا، بعض اوقات موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے، یا بعد میں بات کرنے کی کوئی مناسبت نہیں بنتی، یا ذہنوں میں واقعہ کی اہمیت کم ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے تاثیر میں فرق آ جاتا ہے۔

۲) غلطی کے ازالہ کے لئے شرعی حکم بیان کرنا:

حضرت جرہد بنی تميم سے روایت ہے کہ ان کے پاس سے رسول اللہ ﷺ گزرے، اُس وقت ان کی ران سے کپڑا ہٹا ہوا تھا، نبی ﷺ نے فرمایا: ((غَطِّ فَحِذْكَ، فَإِنَّهَا مِنَ الْعَوْرَةِ)) ”اپنی ران ڈھانک لو، یہ پردے کے اعضاء میں شامل ہے۔“ (۱)

۳) غلطی کرنے والے کو اُس شرعی اصول کی طرف توجہ دلانا جس کی مخالفت ہوئی ہو:

بعض اوقات پیش آمدہ حالات میں شرعی اصول ذہن سے اتر جاتا ہے، لہذا اس اصول و قاعدہ کے اعلان و اظہار سے غلطی کرنے والا راہ راست پر واپس آتا ہے اور غفلت کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ ایک بار منافقوں نے مہاجر اور انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان فتنہ کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے ایک خطرناک حادثہ پیش آتے آتے رہ گیا۔ اس موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل زیر بحث نکتہ کی ایک بہترین مثال ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بنی تميم سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ایک غزوہ میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ کے ساتھ کافی تعداد میں مہاجرین بھی روانہ ہوئے تھے۔ مہاجرین میں ایک صاحب مزاحیہ طبیعت کے حامل تھے۔ انہوں نے (ہنسی ہنسی میں) ایک انصاری صحابی کو پاؤں سے ٹھوکرا مار دی۔ انصاری صحابی کو شدید غصہ آیا حتیٰ کہ انہوں نے آوازیں دینا شروع کر دیں۔ انصاری نے کہا: اے انصاریو! اس پر مہاجر نے کہا: اے مہاجر و!

(۱) سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء أن الفخذ عورة ح ۲۷۹۸۔

امام ترمذی نے حدیث کو حسن کہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا : ”یہ جاہلیت والوں کی سی پکار کیوں؟“ پھر فرمایا : ”بات کیا ہوئی؟“ آنحضرت ﷺ کو مہاجر کے انصاری کو ٹھوکر مارنے کی بات بتائی گئی۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((دَعَوْهَا فَإِنَّهَا مِنَ الْحَبِيثَةِ)) ”یہ بات ترک کر دو، یہ ناپاک ہے۔“ (۲)

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :
 ((وَلْيَنْصُرِ الرَّجُلُ أَخَاهُ، ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا، إِنْ كَانَ ظَالِمًا
 فَلْيَنْهَهُ فَإِنَّهُ لَهُ نَصْرٌ، وَإِنْ كَانَ مَظْلُومًا فَلْيَنْصُرْهُ)) (۳)
 ”آدمی کو اپنے بھائی کی مدد کرنی چاہیے، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اگر وہ ظالم ہے تو اسے ظلم سے منع کرے، یہی اس کی مدد ہے، اور اگر مظلوم ہے تو اس کی مدد کرے۔“

(۴) غلطی کا سبب بننے والی غلط فہمی کی اصلاح :

صحیح بخاری میں حضرت حمید بن ابی حمید طویل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی۔ انہوں نے فرمایا :
 تین آدمی اہمات المؤمنین رضی اللہ عنہم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انہوں نے (پردے کے پیچھے سے) نبی اکرم ﷺ کی (نفل) عبادت کے متعلق سوال کیا۔ جب انہیں بتایا گیا (کہ رسول اللہ ﷺ اس انداز سے عبادت کرتے ہیں) تو انہوں نے محسوس کیا کہ یہ عبادت تھوڑی ہے۔ تاہم انہوں نے کہا : ہماری آنحضرت ﷺ

(۲) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب ما ينهى عن دعوى الجاهلية ح ۵۳۱۸۔

(۳) صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب نصر الاخ ظالمًا او مظلومًا ح ۲۵۸۲۔

سے کیا نسبت؟ ان کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہیں (وہ تو اگر زیادہ عبادت نہ بھی کریں تو کوئی بات نہیں، ہمیں تو بہت زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہے)۔ ان میں سے ایک بولا: میں ہمیشہ رات بھر نماز (تہجد) پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، کسی دن نانہ نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا، کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ (جب رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں کا علم ہوا تو) آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

((أَنْتُمْ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذًا وَكَذَا؟ أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَا أَخْشَاكُمْ لِلَّهِ
وَأَتَقَاكُمْ لَهُ، لِكَيْتِي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَزُقُّدُ وَأَتَزَوَّجُ))

”تم لوگوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں؟ اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ خوفِ خدا اور تقویٰ رکھتا ہوں، لیکن میں (نفل) روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، (رات کو) نماز (تہجد) بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور میں نے نکاح بھی کئے ہوئے ہیں۔“ (۴)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چند افراد نے اُہمات المؤمنین رضی اللہ عنہم سے آنحضرت ﷺ کے وہ اعمال دریافت کئے جو آپؐ گھر میں انجام دیتے تھے۔ (بعد میں) ایک نے کہا: میں عورتوں سے نکاح نہیں کروں گا۔ ایک نے کہا: میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ ایک نے کہا: میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ (جب نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہوا) تو آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا:

((مَا بَالُ أَقْوَامٍ قَالُوا كَذًا وَكَذَا؟ لِكَيْتِي أُصَلِّي وَأَنَا مُمْ وَأَصُومُ))

(۴) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح

وَأُفْطِرُوا أَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))
 ”کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ فلاں فلاں بات کہتے ہیں۔ لیکن میں (رات کو)
 نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، (نفلی) روزہ بھی رکھتا ہوں اور
 چھوڑتا بھی ہوں، اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں — پس جو
 شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے (کوئی تعلق)
 نہیں (رکھتا)۔“ (۵)

اس واقعہ میں مندرجہ ذیل امور قابل توجہ ہیں :

○ نبی اکرم ﷺ ان حضرات کے پاس تشریف لائے، دوسرے لوگوں کو
 شریک کئے بغیر صرف ان حضرات سے بات کی اور جب عام لوگوں کو یہ مسئلہ بتانا
 چاہا تو ان حضرات کی طرف اشارہ کئے بغیر اور ان کا نام لئے بغیر بات کی، ان کو
 رسوا نہیں کیا، بلکہ یوں فرمایا : ”کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ فلاں فلاں بات کہتے
 ہیں؟“ اس سے ان پر شفقت اور ان کی پردہ پوشی مقصود تھی، اور سب لوگوں کو
 مسئلہ بتانے کا مقصد بھی حاصل ہو گیا۔

○ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں کے حالات اس مقصد سے
 معلوم کرنا درست ہے کہ ان کے اچھے کاموں کی پیروی کی جائے، اور یہ حالات
 معلوم کرنا اپنے نفس کی تربیت میں شامل ہے، جو عقلمندی کی نشانی ہے۔
 ○ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مفید اور شرعی مسائل اگر مردوں
 کے ذریعے معلوم کرنے میں کسی وجہ سے دشواری محسوس ہو تو خواتین کے
 ذریعے معلوم کرنا بھی جائز ہے۔

○ اپنے نیک اعمال کا ذکر کرنا جائز ہے بشرطیکہ ریاکاری کا خطرہ نہ ہو، اور

(۵) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح... ح ۱۳۰۱۔

بتانے سے دوسروں کو فائدہ ہو۔

○ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ عبادت میں اپنی جان پر سختی کرنے سے اکتاہٹ پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں عبادت سرے سے چھوٹ جاتی ہے، اس لئے بہتر کام وہ ہے جس میں میانہ روی اختیار کی جائے۔^(۶)

○ عملی غلطی کی بنیاد تصور کی غلطی ہوتی ہے۔ جب بنیادی تصورات صحیح ہوں تو غلطیوں کی مقدار بہت کم ہو جاتی ہے۔ اس حدیث سے یہ واضح ہے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو رہبانیت اور سخت کوشی اختیار کرنا چاہی تھی اس کی وجہ یہ غلط فہمی تھی کہ نجات کی امید تبھی ہو سکتی ہے اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت سے زیادہ عبادت کی جائے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کی بشارت مل چکی ہے، جب کہ ان لوگوں کو یہ شرف حاصل نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس غلط تصور کی اصلاح کر دی اور انہیں بتا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ مغفور ہیں، پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والے اور تقویٰ رکھنے والے ہیں اور انہیں حکم دیا کہ عبادت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ پر ہی قائم رہیں۔

اس سے ملتا جلتا واقعہ حضرت کھمیس ہلالی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ وہ اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں نے اسلام قبول کیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قبول اسلام کی خبر دی۔ ایک سال بعد میں دوبارہ حاضر خدمت ہوا تو کیفیت یہ تھی کہ میرا جسم انتہائی ڈبلا پتلا ہو چکا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر مجھے اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ میں نے عرض کیا: ”حضور! آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟“ فرمایا:

(۶) ملاحظہ ہو فتح الباری ۱۰۴/۹۔

”تم کون ہو؟“ میں نے کہا: ”میں کھمس ہلائی ہوں۔“ فرمایا: ”تمہاری یہ حالت کیوں ہو گئی؟“ میں نے کہا: ”آپ کے پاس سے رخصت ہونے کے بعد میں نے کبھی دن میں روزہ نہیں چھوڑا اور رات کو کبھی نہیں سویا۔“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”تمہیں یہ حکم کس نے دیا کہ اپنی جان کو عذاب دو؟ صبر والے مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو اور ہر مہینہ میں ایک روزہ رکھو۔“ میں نے کہا: ”مجھے اس سے زیادہ کی اجازت دیجئے۔“ فرمایا: ”صبر والے مہینہ کے روزے رکھو اور ہر مہینہ میں دو روزے رکھو۔“ میں نے کہا: ”میں اپنے اندر طاقت محسوس کرتا ہوں، مجھے مزید اجازت دے دیجئے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”صبر کے مہینہ کے روزے رکھو اور ہر مہینہ میں تین دن کے روزے رکھ لیا کرو۔“ (۷)

تصور کی اس غلطی کا تعلق بعض اوقات افراد کی قدر و قیمت کے تعین سے ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کی اصلاح اور توضیح کی طرف بھی خاص توجہ دی۔ صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک شخص گزرا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک صحابی سے فرمایا: ”اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟“ انہوں نے عرض کیا: ”یہ تو معزز لوگوں میں سے ہے، اللہ کی قسم! یہ تو ایسا آدمی ہے کہ اگر کسی سے رشتہ مانگے تو اس سے نکاح کر دیا جائے گا (ہر شخص خوشی سے رشتہ دینے کو تیار ہو گا)؛ اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔“ جناب رسول اللہ ﷺ خاموش ہو

(۷) المعجم الكبير للطبرانی ۱۹ / ۱۹ ح ۳۳۵۔ علامہ البانی نے حدیث کو

سلسلة الاحادیث الصحیحہ میں نقل کیا ہے (۶ / ۲۲۴ ح ۲۶۲۳)

گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور آدمی گزرا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟“ انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! یہ تو مفلس مسلمانوں میں سے ایک (عام سا) آدمی ہے۔ یہ تو اگر کسی سے رشتہ ملائے تو اس کا نکاح نہیں ہوگا، اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ ہو، اگر بات کرے تو کوئی اس کی بات نہ سنے۔“ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”اُس (دولت مند) جیسے آدمیوں سے پوری زمین بھری ہوئی ہو تو اُن سے یہ (مفلس مسلمان) بہتر ہے۔“ (۸)

ابن ماجہ کی روایت میں یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک شخص گزرا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اس شخص کے بارے میں تم لوگ کیا کہتے ہو؟“ انہوں نے عرض کیا: ”ہم وہی کہتے ہیں جو آپ کی رائے ہے۔ (ویسے بظاہر یہ کیفیت ہے کہ) یہ ایک معزز شخص ہے۔ اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجے تو اس کا پیغام قبول کیا جائے، اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش مانی جائے، اگر بات کرے تو اس کی بات سنی جائے۔“ نبی ﷺ خاموش ہو گئے۔ ایک اور آدمی گزرا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اس شخص کے بارے میں تم لوگ کیا کہتے ہو؟“ انہوں نے عرض کیا: ”اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! (ہماری نظر میں تو) یہ ایک غریب مسلمان ہے، اگر نکاح کا پیغام بھیجے تو کوئی اسے رشتہ نہیں دے گا، اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی، اگر بات کرے تو اس کی بات نہیں سنی جائے گی۔“ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”یہ (مفلس مسلمان) اُس (دولت مند) جیسے زمین بھر آدمیوں سے بہتر ہے۔“ (۹)

(۸) صحیح البخاری کتاب الرقاق باب فضل الفقر ح ۶۴۴۷

(۹) سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب فضل الفقراء ح ۴۱۲۰

(۵) نصیحت اور بار بار تخویف کے ذریعے غلطی کی شدت کا احساس دلانا:

حضرت جناب بن عبد اللہ بنجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کا ایک لشکر روانہ فرمایا۔ دونوں لشکروں کا باہم سامنا ہوا۔ (جنگ کے دوران ایسا ہوا کہ) مشرکین میں سے ایک مرد جس مسلمان کو چاہتا قتل کر دیتا۔ (اس کے ہاتھ سے متعدد مسلمان شہید ہو گئے) ایک مسلمان نے اسے غافل پا کر اس پر حملہ کیا۔ حضرت جناب بنجلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے کہ وہ مسلمان اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔ جب انہوں نے اس پر تلوار اٹھائی تو اس نے (فوراً) کہہ دیا: لا الہ الا اللہ۔ صحابی نے (پھر بھی) اسے قتل کر دیا۔ (واپسی پر) ایک صحابی نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (فتح کی) خوش خبری دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حالات پوچھے، انہوں نے بتائے اور اُس صحابی کی بات بھی بتائی کہ انہوں نے یہ کام کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس صحابی کو بلا کر پوچھا: ”تم نے اس شخص کو کیوں قتل کر دیا؟“ انہوں نے عرض کیا: ”اس نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا اور فلاں فلاں شخص کو شہید کیا۔“ انہوں نے کئی حضرات کے نام لئے اور کہا: ”میں نے اس پر حملہ کیا، اُس نے جب تلوار دیکھی تو لاِ اِلَہِ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دیا۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”پھر تم نے اسے قتل کر دیا؟“ انہوں نے کہا: ”جی ہاں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے دن جب لاِ اِلَہِ اِلَّا اللّٰہُ حاضر ہو گا تو تم کیا کرو گے؟“ انہوں نے کہا: ”یا رسول اللہ! میرے لئے گناہ کی معافی کی دعا کیجئے۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے دن جب لاِ اِلَہِ اِلَّا اللّٰہُ حاضر ہو گا تو تم کیا کرو گے؟“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی فرماتے رہے: ”قیامت کے دن جب لاِ اِلَہِ اِلَّا اللّٰہُ حاضر ہو گا، تو تم کیا کرو گے؟“ (۱۰)

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے خود بھی یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں : جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک دستہ کی صورت میں روانہ فرمایا، ہم نے صبح صبح جُبَینہ کے گاؤں حُرقات پر حملہ کیا۔ میں نے ایک آدمی کو جالیا۔ اُس نے کہا : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لیکن میں نے اُس پر وار کر دیا۔ پھر مجھے اس کے بارے میں پریشانی ہوئی۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ بتایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ”کیا اُس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ لیا تھا، پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟“ میں نے عرض کیا : ”یا رسول اللہ! اس نے ہتھیار سے ڈر کر کلمہ پڑھا تھا۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ”کیا تم نے اُس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ اُس (دل) نے کہا ہے یا نہیں؟ آپ بار بار مجھے یہی بات فرماتے رہے، حتیٰ کہ میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش میں اسی دن مسلمان ہوا ہوتا۔“^(۱۱)

وعظ و نصیحت کے ذریعے غلطی کی ایک صورت اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت یاد دلانا بھی ہے۔ اس کی ایک مثال پیش خدمت ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا : میں اپنے ایک غلام کو کوڑا لے کر مار رہا تھا کہ مجھے اپنے پیچھے ایک آواز سنائی دی : ”ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہیے۔“ غصے کی شدت کی وجہ سے میں توجہ نہ کر سکا کہ یہ کس کی آواز ہے۔ جب وہ قریب آگئے تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو فرما رہے ہیں : ”ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہیے۔“ میں نے کوڑا ہاتھ سے پھینک دیا۔ ایک روایت میں ہے : ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

(۱۰) صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد ان قال لا اله

الا لله ح ۹۷-

(۱۱) حوالہ سابقہ ح ۹۶-

ہیت کی وجہ سے کوڑا میرے ہاتھ سے گر پڑا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا :
 ”ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تجھے اس غلام پر جس قدر اختیار حاصل ہے،
 اللہ تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت حاصل ہے۔“ میں نے عرض کیا :
 ”حضور! آج کے بعد میں کبھی کسی غلام کو نہیں ماروں گا۔“ ایک روایت میں
 ہے : میں نے کہا : ”یا رسول اللہ! یہ اللہ کے لئے آزاد ہے۔“ آنحضرت ﷺ
 نے فرمایا : ”اگر تو (اس غلطی کی تلافی) نہ کرتا تو آگ تجھے جھلسا دیتی۔“ یا
 فرمایا : ”آگ تجھے چھو لیتی۔“

صحیح مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا : ”اللہ کی
 قسم! جتنی تجھے اس پر قدرت حاصل ہے اس سے زیادہ اللہ کو تجھ پر قدرت
 حاصل ہے۔“ چنانچہ انہوں نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔^(۱۲)

سنن ترمذی میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں
 نے فرمایا : میں اپنے ایک غلام کو پیٹ رہا تھا، کہ مجھے اپنے پیچھے کسی کی آواز
 آئی : ”ابو مسعود! جان لو۔ ابو مسعود! جان لو۔“ میں نے مڑ کر دیکھا تو
 رسول اللہ ﷺ تھے۔ آپ نے فرمایا : ”تجھے اس پر جتنی قدرت حاصل ہے
 اللہ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت حاصل ہے۔“ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا :
 ”اس کے بعد میں نے کبھی اپنے کسی غلام کو نہیں مارا۔“^(۱۳)

(۶) غلطی کرنے والے پر شفقت کا اظہار :

جو شخص اپنی غلطی پر انتہائی شرمسار ہو، اسے شدید افسوس ہو رہا ہو، اور

(۱۲) صحیح مسلم کتاب الایمان باب صحبة الممالیک ح ۱۶۵۹۔

(۱۳) سنن الترمذی کتاب البر والصلة، باب النهی عن ضرب الخدم
 وشمیم ح ۱۹۲۸ اور اس سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ صحیح مسلم حوالہ سابقہ۔

واضح طور پر نظر آ رہا ہو کہ وہ دل سے تائب ہو چکا ہے، اسے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس پر رحمت و شفقت کا اظہار کیا جائے۔ جیسے اس واقعہ میں ہوا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا، پھر اس سے مباشرت کر بیٹھا تھا۔ اُس نے کہا: ”یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا، پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے مباشرت کر لی۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس کی وجہ کیا بنی؟ اللہ تجھ پر رحم کرے۔“ اس نے کہا: ”چاند کی چاندنی میں اس کی پازیب پر میری نظر پڑ گئی (پھر مجھے اپنے آپ پر قابو نہ رہا)۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اب تو جب تک وہ کام نہ کر لے جس کا اللہ نے تجھے حکم دیا ہے (یعنی کفارہ کی ادائیگی) دوبارہ اس کے قریب نہ جانا۔“ (۱۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک آدمی آ گیا۔ اُس نے کہا: ”یا رسول اللہ! میں تباہ ہو گیا۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا ہوا؟“ اُس نے عرض کیا: ”میں روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کے پاس چلا گیا۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا تیرے پاس کوئی غلام یا لونڈی ہے جسے تو آزاد کر سکے؟“ اُس نے کہا: ”جی نہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا تو مسلسل دو ماہ روزے رکھ سکتا ہے؟“ اُس نے کہا: ”جی نہیں۔“ فرمایا: ”کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟“ اُس نے کہا: ”جی نہیں۔“ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تشریف فرما رہے۔ (سائل بھی حاضر رہا)۔ اسی اثناء

(۱۳) سنن الترمذی، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی المظاہر یواقع قبل

ان یکفر ح ۱۱۹۹ و سنن ابن ماجہ ح ۲۰۶۵۔

میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کھجوروں کا ایک ٹوکرا پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”سائل کہاں ہے؟“ اس نے کہا: ”جی میں ہوں۔“ فرمایا: ”یہ لے جاؤ اور انہیں صدقہ کر دو۔“ اس نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! کیا اپنے سے زیادہ غریب آدمی کو دوں؟ اللہ کی قسم! دونوں پتھر لے علاقوں کے درمیان (یعنی پورے مدینہ میں) ہم سے زیادہ غریب کوئی گھر نہیں۔“ نبی اکرم ﷺ کھل کر مسکرائے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے (ڈاڑھوں سے پہلے والے) نوکیلے دانت نظر آنے لگے۔ پھر فرمایا: ”اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔“ (۱۵)

یہ شخص جو ایک غلطی کا ارتکاب کرنے کے بعد مسئلہ پوچھنے آیا تھا مذاق نہیں کر رہا تھا، نہ اپنے گناہ کو معمولی سمجھ رہا تھا، بلکہ اسے اپنی غلطی کا جس شدت سے احساس تھا وہ اُس کے ان الفاظ سے واضح ہے کہ ”میں تباہ ہو گیا۔“ اس لئے وہ شفقت کا مستحق ہوا۔

مسند احمد کی روایت میں زیادہ وضاحت سے بیان ہے کہ جب وہ مسئلہ پوچھنے آیا تو اس کی کیا کیفیت تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: ایک اعرابی آیا، وہ چہرہ پیٹ رہا تھا اور بال کھسوٹ رہا تھا اور کہہ رہا تھا: ”میں تو برباد ہی ہو گیا ہوں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ”تجھے کس چیز نے برباد کر دیا؟“ اس نے کہا: ”میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے مباشرت کر لی ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا تو ایک غلام آزاد کر سکتا ہے؟“ اُس نے کہا: ”جی نہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے؟“ اُس نے کہا: ”جی نہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟“ اُس نے کہا: ”جی نہیں“ اور اپنے فقر کا ذکر کیا۔ اتنے

(۱۵) صحیح البخاری کتاب الصوم باب اذا جامع فی رمضان ح ۱۹۳۶۔

میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک ٹوکرا پیش کیا گیا، جس میں پندرہ صاع کھجوریں تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”وہ آدمی کہاں ہے؟“ اور اُس سے فرمایا: ”یہ (غریبوں کو) کھلا دو۔“ اُس نے کہا: ”یا رسول اللہ! دونوں پتھر لے علاقوں کے درمیان ہم سے زیادہ حاجت مند گھر موجود نہیں۔“ جناب رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے نوکیلے دانت نظر آنے لگے۔ آپ نے فرمایا: ”اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔“ (۱۶)

۷) کسی کو غلطی پر قرار دینے میں جلدی نہ کریں :-

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا جو خود انہی کے الفاظ میں ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: جناب رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک بار میں نے ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفرقان کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ میں ان کی قراءت توجہ سے سننے لگا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کئی الفاظ اس انداز سے پڑھ رہے ہیں جس طرح مجھے رسول اللہ ﷺ نے نہیں پڑھائے تھے۔ میرا جی چاہا کہ انہیں نماز ہی میں پکڑ لوں، لیکن میں نے صبر کیا، حتیٰ کہ انہوں نے سلام پھیر لیا۔ تب میں نے انہیں ان کی چادر سے پکڑ کر کہا: ”آپ کو یہ سورت کس نے سکھائی ہے جو میں نے آپ کو پڑھتے سنا ہے؟“ انہوں نے کہا: ”مجھے رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے؟“ میں نے کہا: ”آپ غلط کہتے ہیں۔ جس طرح آپ نے پڑھی ہے مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس سے مختلف انداز سے پڑھائی ہے۔“ میں انہیں پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں لے گیا اور عرض کیا: ”میں نے انہیں سورۃ الفرقان کے کئی الفاظ اس طرح پڑھتے سنا ہے جس طرح آپ نے

(۱۶) مسند احمد ۲/۵۱۶ شرح احمد شاہ کرح ۱۰۶۹۸ اور ۱۰۶۹۹ اور حدیث اکثر

مجھے نہیں پڑھائے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”انہیں چھوڑ دیجئے۔“ اور فرمایا: ”ہشام! پڑھے!“ انہوں نے اسی طرح پڑھی جس طرح میں نے انہیں پڑھتے سنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسی طرح نازل ہوئی ہے۔“ پھر فرمایا: ”عمر! آپ پڑھے۔“ میں نے اس طرح پڑھی جس طرح آنحضرت ﷺ نے مجھے پڑھائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسی طرح نازل ہوئی ہے۔“ یہ قرآن سات طریقوں پر نازل ہوا ہے، لہذا جو طریقہ آسان معلوم ہو اسی طرح پڑھ لیا کرو۔“ (۱۷)

واقعہ میں تربیت سے متعلق نکات:

○ آنحضرت ﷺ نے ہر ایک سے دوسرے کے سامنے پڑھا کر سنا، اور اس کی قراءت کو درست قرار دیا۔ کسی کو غلط قرار نہ دینے اور دونوں کو صحیح قرار دینے کا یہ طریقہ بہت مؤثر ہے۔

○ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ہشام رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیں اور پکڑے نہ رکھیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ فریقین اطمینان سے ایک دوسرے کی بات سنیں اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔

○ طالب علم کسی مسئلہ میں علماء کے جس قول سے واقف ہے، اگر اس کے سامنے اس کے خلاف دوسرا قول پیش کیا جائے تو اسے چاہیے کہ تحقیق کے بغیر اسے غلط قرار نہ دے۔ ممکن ہے یہ بھی کبار علماء کا ایک قابل قبول قول ہو۔

(۱۷) صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب انزل القرآن علی سبعة احرف ح ۴۹۹۲۔ و سنن الترمذی کتاب القراءات باب ماجاء ان القرآن انزل علی سبعة احرف ح ۳۱۲۶۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ صحیح سنن الترمذی ح ۲۳۳۷۔

اسی موضوع سے متعلق یہ نکتہ بھی ہے کہ سزا دینے میں جلدی کرنا درست نہیں، جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہے :

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباد بن شُرْحَبیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں : میں اپنے ایک چچا کے ساتھ مدینہ آیا۔ وہاں ایک کھیت میں چلا گیا اور کچھ خوشے توڑ کر دانے نکال لئے۔ کھیت والے نے آکر مجھے مارا اور میری چادر چھین لی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلا بھیجا، وہ حاضر ہوا تو آپ نے اُس سے فرمایا :

”تم نے یہ کام کیوں کیا؟“ اُس نے کہا : ”یہ شخص میرے کھیت میں آگھسا، اس کے خوشے توڑے اور دانے نکال لئے۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ”وہ مسئلہ سے ناواقف تھا، تم نے اسے تعلیم نہیں دی، وہ بھوکا تھا، تم نے اسے کھانا نہیں کھلایا۔ اس کی چادر واپس کرو“ — پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک آدھ و سق غلہ عطا فرمادیا۔ (۱۸)

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ غلطی کرنے والے کے حالات معلوم کر لئے جائیں تو اس کے ساتھ صحیح رویہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیت کے مالک کو سزا نہیں دی، کیونکہ وہ حق پر تھا۔ لیکن اس کے طرز عمل کو غلط قرار دیا اور واضح فرمایا کہ اس قسم کے موقع پر مسئلہ سے ناواقف آدمی کے ساتھ اس قسم کا رویہ اختیار کرنا درست نہ تھا۔ پھر اسے بتایا کہ صحیح طرز عمل کیا ہونا چاہیے اور اسے حکم دیا کہ بھوکے آدمی کے کپڑے واپس کر دے۔

(۱۸) سنن النسائی، کتاب آداب القضاة، باب الاستعداد، ح ۵۳۲۳۔

علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح سنن النسائی ح ۴۹۹۹۔

(۸) غلطی کرنے والے کے ساتھ جذباتی رویہ اختیار کرنے سے پرہیز:

خاص طور پر جب منع کرتے وقت سختی سے کام لینے کے نتیجے میں خرابی کا دائرہ وسیع ہونے کا خطرہ ہو۔ اس نکتہ کو سمجھنے کے لئے اس واقعہ پر غور کریں کہ جب ایک بدو نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس غلطی پر کس رد عمل کا مظاہرہ فرمایا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم مسجد میں نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا اور مسجد میں (ایک طرف) کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ”زک جاؤ، زک جاؤ“۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس کا پیشاب نہ روکو، اسے فارغ ہو لینے دو“۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے چھوڑ دیا حتیٰ کہ اس نے پیشاب کر لیا۔ اس کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: ”ان مسجدوں میں پیشاب کرنا یا گندگی پھیلانا درست نہیں، یہ تو اللہ کے ذکر کے لئے، نماز کے لئے اور تلاوتِ قرآن مجید کے لئے ہوتی ہیں“۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا تو اس نے پانی کا ایک ڈول لاکر اس جگہ پر بہا دیا۔ (۱۹)

اعرابی کی اس غلطی کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے جس قاعدہ پر عمل کیا وہ ہے ”آسانی کرنا“ مشکل میں نہ ڈالنا“۔ صحیح بخاری میں یہ واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کیا گیا ہے: ”ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ غصہ میں آکر اس کو پکڑنے کے لئے بڑھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو۔ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، مشکل میں ڈالنے والے بنا کر نہیں

(۱۹) صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل البول، ح ۲۸۵۔

بھیجے گئے۔ (۲۰)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد کو پاک رکھنے کے لئے اور بڑائی سے منع کرنے کے لئے جوش و جذبہ کا مظاہرہ کیا تھا، جیسے کہ اس حدیث کی مختلف روایات کے الفاظ سے ظاہر ہے، جن میں کچھ الفاظ یہ ہیں: فَصَاحَ بِهِ النَّاسُ "لوگوں نے اسے بلند آواز سے روکا"۔ فَشَارَ إِلَيْهِ النَّاسُ "لوگ غصے سے اس کی طرف بڑھے"۔ فَرَجَزَهُ النَّاسُ "لوگوں نے اسے ڈانٹا"۔ "فَاسْرَعَ إِلَيْهِ النَّاسُ" "لوگ تیزی سے اس کی طرف بڑھے"۔ فَقَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَهْ مَهْ "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: رُكْ جَاؤْ رُكْ جَاؤْ" (۲۱) لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر نتیجہ پر تھی۔ آپ نے دیکھا کہ اس معاملہ میں دو صورتیں ممکن ہیں، یا اس شخص کو پیشاب کرنے سے منع کیا جائے، یا چھوڑ دیا جائے۔ اگر اسے منع کیا گیا تو اس صورت میں یا تو وہ شخص عملاً پیشاب کرنے سے رُكْ جائے گا، اس طرح پیشاب روکنے سے اسے نقصان پہنچے گا، یا یہ صورت ہوگی کہ اس کا پیشاب ابھی جاری ہو گا کہ وہ لوگوں کے خوف سے بھاگ کھڑا ہو گا، اس طرح نجاست مسجد میں پھیل جائے گی اور اس شخص کا بدن اور کپڑے بھی ناپاک ہو جائیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس فرمایا کہ اسے پیشاب کر لینے دیا جائے تو کم خرابی لازم آئے گی اور یہ چھوٹی بڑائی ہوگی۔ خاص طور پر اس لئے بھی کہ آدمی غلطی کا ارتکاب شروع کر چکا ہے اور نجاست کا ازالہ پانی کے ذریعے ممکن ہے۔

(۲۰) صحیح البخاری کتاب الادب باب ۸۰ ح ۶۱۲۸۔

(۲۱) صحیح البخاری کتاب الوضوء و کتاب الادب و صحیح مسلم کتاب الطہارۃ و سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ و سنن الترمذی کتاب الطہارۃ و سنن النسائی کتاب الطہارۃ کے متعلقہ ابواب میں یہ الفاظ

اس لئے آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا : اسے چھوڑ دو، اسے مت روکو۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ اس طرح مصلحت اور فائدے کو ترجیح حاصل ہو رہی تھی۔ یعنی چھوٹی خرابی کو برداشت کر کے بڑی خرابی کو روکا جا رہا تھا اور چھوٹے فائدہ کو چھوڑنے کے نتیجے میں بڑا فائدہ حاصل ہو رہا تھا۔

ایک روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے دریافت کیا تھا کہ اس نے یہ کام کیوں کیا۔ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں : نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک اعرابی حاضر ہوا اور مسجد میں آپ سے بیعت کی۔ پھر واپس ہوا تو ٹانگیں پھیلا کر کھڑا ہو گیا اور پیشاب کر دیا۔ لوگوں نے اسے پکڑنا چاہا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ”اس کا پیشاب نہ روکو“۔ پھر فرمایا : ”کیا تم مسلمان نہیں؟“ اس نے کہا : ”کیوں نہیں؟“ فرمایا : ”پھر تم نے ہماری مسجد میں پیشاب کیوں کیا؟“ اس نے کہا : ”قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے، میں تو اسے عام زمین کی طرح کی زمین سمجھا تھا، اس لئے میں نے یہاں پیشاب کر لیا“۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہا دیا گیا۔“ (۲۲)

اس حکیمانہ انداز کے رویہ کا اُس اعرابی کے دل پر گہرا اثر ہوا، جس کا اظہار اس کے اپنے الفاظ سے ہوتا ہے جو ابن ماجہ کی روایت میں مذکور ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی مسجد میں داخل ہوا، جناب رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ اُس نے کہا : ”اے اللہ! مجھے بخش دے

(۲۲) المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱/۱۷۶-ح ۱۱۵۵۲۔ علامہ بیہقی نے حدیث کو صحیح کہا

ہے۔ ملاحظہ ہو مجمع الزوائد ۲/۱۰-ح ۱۹۵۸۔

اور محمد ﷺ کو بخش دے، اور ہمارے ساتھ کسی اور کی مغفرت نہ فرمانا۔ جناب رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا: ”تم نے بڑی وسیع چیز (رحمت) کو محدود کر دیا۔“ پھر وہ واپس ہوا، ابھی مسجد کے ایک حصہ میں ہی تھا کہ ٹانگیں پھیلا کر پیشاب کرنے لگا۔ اُس اعرابی کو جب دین کی سمجھ آگئی تو اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا: ”میرے ماں باپ آنحضورؐ پر قربان ہوں، آپؐ اُنھ کر میرے پاس آئے، پھر مجھے نہ ڈانٹا، نہ بڑا بھلا کہا۔ فرمایا: ”اس مسجد میں پیشاب نہیں کرتے، یہ تو اللہ کے ذکر اور نماز کے لئے بنائی گئی ہے۔“ اس کے بعد آپؐ نے پانی کا ایک ڈول منگوایا جو پیشاب پر بہا دیا گیا۔“ (۲۳)

امام ابن حجر بیہقی نے اس حدیث کی شرح میں جو فوائد ذکر کئے ہیں، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

○ جاہل کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے، اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کئے بغیر ضروری مسئلہ سمجھایا جائے، جب کہ اس نے یہ غلطی ضد کی بنیاد پر نہ کی ہو، بالخصوص جب کہ اسے تالیفِ قلب کی ضرورت ہو۔

○ اس واقعہ سے نبی اکرم ﷺ کی شفقت اور حسنِ خلق کا نظما ہوتا ہے۔

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں میں یہ مسئلہ خوب جاگزیں تھا کہ نجاست سے بچنا ضروری ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کئے بغیر ہی اسے روکنا شروع کر دیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا لازمی ہونا ان کے نزدیک مسلم تھا۔

(۲۳) سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ باب الارض یصیبھا البول ح ۵۲۹

علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح سنن ابن ماجہ ح ۴۲۸۔

○ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مانع دُور ہوتے ہی خرابی کا ازالہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس کے فارغ ہوتے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کو پانی بہانے کا حکم دے دیا گیا۔ (۲۴)

(۹) یہ واضح کر دینا کہ غلطی بہت بڑی ہے:

حضرت محمد بن کعب، حضرت زید بن اسلم اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی کہ غزوہ تبوک کے موقع پر ایک شخص نے کہا: ”ہم نے تو اپنے ان قراء (یعنی رسول اللہ ﷺ اور علماء صحابہ رضی اللہ عنہم) جیسے لوگ کبھی نہیں دیکھے، کھانے پینے کے بے حد شائق، بات کرنے میں انتہائی جھوٹے، اور جنگ کے موقع پر انتہائی بزدل۔“ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: ”تُو جھوٹ کہتا ہے، بلکہ تُو منافق ہے، میں یہ بات ضرور رسول اللہ ﷺ کو بتاؤں گا۔“ عوف رضی اللہ عنہ یہ بات بتانے کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ ان کے پیچھے سے پہلے قرآن نازل ہو چکا ہے (اور حضور ﷺ کو وحی کے ذریعے اس بات کی اطلاع ہو چکی ہے)۔ آنحضرت ﷺ اپنی اونٹنی پر کجاوہ کس کر سوار ہو چکے تھے کہ وہ شخص بھی آپہنچا، اور کہنے لگا: ”اللہ کے رسول! ہم تو گپ شپ کر رہے تھے، ہم تو دل لگی کر رہے تھے، ہم تو اس طرح کی باتیں کر رہے تھے جس طرح مسافر کیا کرتے ہیں تاکہ ہمارا سفر (آسانی سے) طے ہو جائے۔“ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ منظر گویا اب بھی میرے سامنے ہے جب اس شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی رسی پکڑی ہوئی تھی، اور (راستے کے) پتھر اس کے پاؤں کو زخمی کر رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا: ”ہم تو گپ شپ کر رہے تھے، ہم تو دل لگی کر رہے تھے“ اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ﴿... اِبَاللّٰهِ وَاَيْتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝﴾ (التَّوْبَةُ : ۶۵) ”کیا تم اللہ کا اور اس کی آیات کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے؟“۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی طرف توجہ فرماتے تھے نہ اس سے زیادہ کوئی بات ارشاد فرماتے تھے۔

ابن جریر برقی نے یہ واقعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: غزوہ تبوک میں ایک آدمی نے کسی مجلس میں کہا: ”ہم نے اپنے ان قراء (علماء صحابہ رضی اللہ عنہم) جیسے لوگ کبھی نہیں دیکھے، پیٹ بھرنے کے انتہائی شوقین، زبان کے انتہائی جھوٹے اور جنگ کے موقع پر انتہائی بزدل“۔ مجلس میں موجود ایک صحابی نے کہا: ”تو جھوٹا ہے، بلکہ تو منافق ہے، میں ضرور رسول اللہ ﷺ کو بتاؤں گا“۔ اور قرآن نازل ہو گیا۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی رسی کو پکڑے ہوئے (ساتھ ساتھ بھاگ رہا) تھا اور پتھر اسے زخمی کر رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا: ”یا رسول اللہ! ہم تو گپ شپ اور دل لگی کر رہے تھے“۔ اور رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: ﴿... اِبَاللّٰهِ وَاَيْتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ (التَّوْبَةُ : ۶۵، ۶۶) ”کیا تم اللہ کا اور اس کی آیات کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے؟ معذرت نہ کرو، تم ایمان لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کر چکے ہو“۔ (۲۵)

(۱۰) غلطی کا نقصان واضح کرنا:

حضرت ابو ثعلبہ خنی بنی نضیر سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ (سفر کے دوران) کسی مقام پر پڑاؤ کرتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھائیوں اور وادیوں میں

(۲۵) تفسیر ابن جریر طبری ۱۳/۲۳۳۔ اس کی سند حسن ہے۔

بکھر جاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارا ان گھائیوں اور وادیوں میں یوں بکھر جانا شیطان کی طرف سے ہے۔“ اس کے بعد (یہ حال ہو گیا کہ) جب بھی آنحضرت ﷺ کسی مقام پر پڑاؤ ڈالتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے اس طرح مل کر بیٹھتے کہ اگر ان پر کپڑا پھیلا یا جائے تو سب کو ڈھانک لے۔ (۲۶)

ایک روایت میں صحابی فرماتے ہیں: ”اتامل کر بیٹھتے تھے کہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اگر میں ان پر ایک چادر پھیلاؤں تو سب کو ڈھانک لے۔“ (۲۷)

اس میں جو چیز واضح ہے وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بہت خیال رکھتے تھے اور اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر لشکر کو اپنی فوج کے فائدہ کا بہت خیال رکھنا چاہیے اور یہ بھی کہ لشکر کے لوگ جب بکھر کر آرام کریں تو اس کی وجہ سے شیطان مسلمانوں کو خوف زدہ کر سکتا ہے اور دشمن کو حملہ کرنے کا حوصلہ ہو سکتا ہے۔ (۲۸)

اور بکھرنے کا یہ نقصان بھی ہے کہ لشکر کے افراد ایک دوسرے کی کماحقہ مدد نہیں کر سکتے۔ (۲۹)

یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ایک ہدایت ارشاد فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی پوری پوری تعمیل کی۔

غلطی کا نقصان واضح کرنے کی ایک اور مثال حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا

(۲۶) سنن ابی داؤد کتاب الجہاد ما یومر من انضمام العسکر ح ۲۶۲۸

علامہ البانی نے صحیح کہا ہے، ملاحظہ ہو صحیح سنن ابی داؤد ح ۲۲۸۸۔

(۲۷) مسند احمد ۱۹۳/۳۔

(۲۸) دیکھئے عون المعبود ۷/۲۹۲۔

(۲۹) دیکھئے دلیل الفالحین ۶/۱۳۰۔

روایت کردہ ارشادِ نبویؐ ہے: ”تم ضرور اپنی صفیں سیدھی کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔“ (۳۰)

حضرت نعمان بن بشیرؓ نے ارشاد فرمایا: رسول اللہ ﷺ ہماری صفیں اتنے اہتمام سے سیدھی فرماتے تھے گویا ان کے ساتھ تیر سیدھے کئے جائیں گے (یعنی صفیں تیر سے بھی زیادہ سیدھی ہوتی تھیں) حتیٰ کہ آپؐ نے محسوس فرمایا کہ ہم نے یہ مسئلہ سمجھ لیا ہے (تب بار بار کہنا چھوڑ دیا)۔ اس کے بعد ایک دن آنحضرت ﷺ (نماز پڑھانے) تشریف لائے، آپؐ تکبیر کہنے ہی لگے تھے کہ آپؐ کی نظر ایک آدمی پر پڑی جس کا سینہ صف (کے دوسرے افراد) سے آگے نکلا ہوا تھا۔ تب آپؐ نے فرمایا: ”اللہ کے بندو! تم ضرور صفیں سیدھی کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کے مابین اختلاف ڈال دے گا۔“ (۳۱)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اپنی صفوں کو سیدھے پلائی ہوئی (دیوار کی طرح) کرو (آپس میں فاصلہ چھوڑ کر نہ کھڑے ہو کرو)۔ اور صفیں قریب قریب بناؤ، اور گردنیں برابر رکھو (آگے پیچھے نہ کھڑے ہو)۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، میں دیکھتا ہوں صف کے شکافوں میں شیطان اس طرح گھستے ہیں جیسے سیاہ مہینے۔“ (۳۲)

(۳۰) صحیح البخاری کتاب الاذان باب تسوية الصفوف عند الاقامة
وبعدھا ح ۷۱۷۔

(۳۱) صحیح مسلم کتاب الصلاة باب تسوية الصفوف واقامتها
ح ۴۴۶۔

(۳۲) صحیح سنن النسائی کتاب الإمامة باب حث الإمام علی رث
الصفوف ح ۷۸۵۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔

غلطی کرنے والے کو قائل کرنے کے لئے غلطی سے پیدا ہونے والی خرابیوں اور اس کے بڑے نتائج کی وضاحت بڑی اہم چیز ہے۔ بعض اوقات غلطی کا نتیجہ خود غلطی کرنے والے کے حق میں ہی برا ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس کے نتیجہ میں دوسروں کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ پہلی صورت کی مثال سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جو دوسرے الفاظ سے صحیح مسلم میں بھی مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک آدمی کی چادر ہوا سے اڑنے لگی تو اس نے ہوا پر لعنت بھیجی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے لعنت نہ کرو، وہ حکم کی پابند ہے (یعنی اللہ کے حکم سے چلتی ہے)؛ جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت بھیجتا ہے جو اس کی مستحق نہ ہو تو لعنت خود اسی (لعنت بھیجنے والے) پر پڑتی ہے۔“ (۴۳)

دوسری صورت کی مثال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوسرے شخص کی تعریف کی [مسلم کی روایت کے مطابق اس شخص نے کہا تھا: ”اے اللہ کے رسول، فلاں معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس شخص سے افضل کوئی نہیں“] (۴۴) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ارے! تم نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی، تم نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی۔“ کئی بار فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا: ”جس نے اپنے بھائی کی تعریف ضرور کرنی ہو، وہ یوں

(۴۳) سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی اللعن ح ۴۹۰۸۔ علامہ البانی
حدیث کو صحیح کہا ہے، ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ح ۵۴۸۔

(۴۴) صحیح مسلم کتاب الزہد والرقاقی باب النهی عن المدح
ح ۴۱۱۱۔

کہے : فلاں شخص کے بارے میں میرا یہ خیال ہے، اور اللہ اس کا حساب لینے والا ہے، اور میں اللہ کے مقابلے میں کسی کو پاکباز قرار نہیں دیتا۔ میں اسے ایسے سمجھتا ہوں۔ یہ بھی تب کہے اگر اس کے علم میں وہ نیک آدمی ہو۔“ (۳۵)

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ”الادب المفرد“ میں حضرت عجن اسلمی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ روایت کیا ہے، اس میں صحابی فرماتے ہیں : ”حتی کہ جب ہم مسجد میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نماز پڑھنے اور رکوع و سجود میں مشغول دیکھا تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا : ”یہ کون ہے؟“ میں اس کی خوب تعریف کرنے لگا، میں نے کہا : ”یا رسول اللہ! یہ فلاں صاحب ہیں، یہ ایسے ہیں اور ایسے ہیں“ [الادب المفرد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں : ”یہ فلاں صاحب ہیں، یہ تمام اہل مدینہ میں سب سے عمدہ نماز پڑھتے ہیں۔“] آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ”بس کر، اسے نہ سناؤ، ورنہ تم اسے ہلاک کر دو گے۔“ (۳۶)

صحیح بخاری میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو سنا کہ کسی کی تعریف کر رہا ہے اور تعریف میں اسے حد سے بڑھا رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ”تم نے اس آدمی کو تباہ کر دیا۔“ یا فرمایا : ”تم نے اس کی کمر توڑ دی۔“ (۳۷)

یہاں نبی اکرم ﷺ نے اُس غلط تعریف کرنے والے کو جو مبالغہ آمیز انداز

(۳۵) صحیح البخاری کتاب الشهادات باب اذا زكّی رجل رجلاً رجلاً
کفاه ح ۲۶۶۲۔

(۳۶) الادب المفرد للبخاری باب ما یحیی فی وجوه المدّاحین
ح ۳۳۱۔ علامہ البانی نے حسن کہا ہے۔

(۳۷) صحیح البخاری کتاب الشهادات باب ما یکرہ من الاطناب فی
المدح، ح ۲۶۶۳۔

میں تعریفیں کر رہا تھا، اس کی غلطی کے انجام کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مبالغہ آمیز تعریف کی وجہ سے ممدوح کے دل میں فخر پیدا ہو جائے گا، وہ غرور اور تکبر کی وجہ سے اڑنے لگے گا۔ ممکن ہے اس تعریف کی وجہ سے اسے جو شہرت حاصل ہو وہ اس پر بھروسا کرتے ہوئے عمل میں نستی کا شکار ہو جائے یا تعریف کی لذت محسوس کر کے ریاکاری میں مبتلا ہو جائے، اور اس طرح وہ بلاک ہو جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے اسی چیز کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: ((اهلكنتم)) ”تم نے اسے تباہ کر دیا“ یا ((قَطَعْتُمْ عُنُقَ الرَّجُلِ)) ”تم نے اس کی گردن کاٹ دی“ یا ((قَطَعْتُمْ ظَهْرَ الرَّجُلِ)) ”تم نے اس کی کمر توڑ دی“۔

اس کے علاوہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تعریف کرنے والا تعریف میں ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کا اسے یقین نہیں ہوتا، اور ایسی بات تاکید کے ساتھ کہہ دیتا ہے جس کو وہ براہ راست معلوم نہیں کر سکتا، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ تعریف میں جھوٹ بول دیتا ہے، بعض اوقات ممدوح کے سامنے تعریف میں ریاکاری سے کام لے رہا ہوتا ہے، اس طرح گناہ اور بڑا ہو جاتا ہے، بالخصوص جبکہ ممدوح ظالم یا فاسق ہو تو اس جرم کی شناعت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ (۳۸)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ تعریف کرنا سرے سے ممنوع ہے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض حضرات کی موجودگی میں ان کی تعریف کی ہے۔ صحیح مسلم کے ایک باب کے عنوان سے یہ مسئلہ خوب واضح ہو جاتا ہے۔ باب کا عنوان یوں ہے: بابُ النَّهْيِ عَنِ الْمَدْحِ إِذَا كَانَ فِيهِ إِفْرَاطٌ وَخَيْفٌ مِنْهُ فَتْنَةٌ عَلَى الْمَمْدُوحِ ”تعریف کی ممانعت، جب کہ اس میں مبالغہ ہو اور اس

سے ممدوح کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔“ (۳۹)

البتہ جو شخص اپنی کوتاہیوں کا معترف ہوتا ہے اسے اس قسم کی تعریف سے نقصان نہیں ہوتا اور جب اس کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ اپنے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوتا، کیونکہ اسے اپنے صحیح مقام کا علم ہوتا ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے: جب کسی کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے تو اسے چاہیے کہ یوں دعا کرے: **اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا لَا يَعْلَمُونَ وَلَا تُؤَاجِدْنِي بِمَا يَقُولُونَ** **وَاجْعَلْنِي خَيْرًا مِمَّا يَظُنُّونَ** (۴۰) ”اے اللہ! میرے وہ گناہ معاف فرمادے جو ان لوگوں کو معلوم نہیں، اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر میری گرفت نہ فرمانا، اور مجھے ان کے گمان سے بہتر بنا دے۔“

|| غلطی کرنے والے کو عملی طور پر تعلیم دینا:

اکثر اوقات نظری تعلیم کے بجائے عملی تعلیم زیادہ مؤثر ہوتی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ حضرت جبیر بن نفیر اپنے والد بنو سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے پانی منگوایا اور فرمایا: ”ابو جبیر! وضو کر لیجئے۔“ ابو جبیر بنو نے منہ سے وضو کی ابتدا کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ابو جبیر! منہ سے شروع نہ کیجئے، کافر منہ سے شروع کرتا ہے۔“ پھر حضور ﷺ نے پانی طلب فرمایا اور اپنے ہاتھ دھو کر اچھی طرح صاف کر لئے۔ پھر تین بار کھلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، اور تین بار چہرہ مبارک دھویا، اور دایاں ہازو کنہی تک تین بار دھویا، اور بائیں بھی تین بار دھویا، اور سر کا مسح کیا، اور قدم مبارک

(۴۹) صحیح مسلم، کتاب الیہود والیرقائیق۔

(۴۰) فتح الباری ۱/۲۶۹

دھوئے (۴۱)۔

یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب صحابیؓ کو یہ بتایا کہ کافر پہلے منہ دھوتے ہیں تو اس کا مقصد ان کے دل میں اس غلطی سے نفرت پیدا کرنا تھا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کافر بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں ڈال دیتا ہے (۴۲) جو صفائی کا اہتمام کرنے کے منافی ہے۔ واللہ اعلم

(۱۲) صحیح متبادل پیش کرنا:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نماز ادا کرتے تھے تو کہا کرتے تھے: بندوں کی طرف سے اللہ کو سلام، فلاں فلاں کو سلام۔ (ایک روایت میں ہے) جبرائیل کو سلام، میکائیل کو سلام (۴۳) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یوں نہ کہا کرو کہ اللہ کو سلام، اللہ تو خود سلامتی والا ہے۔ بلکہ یوں کہو: اَلتَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّلِيَّاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ (تمام قولی بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلامتی ہو، اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔ ہم پر بھی سلامتی ہو، اور اللہ کے نیک بندوں پر

(۴۱) السنن الكبرى للبيهقي ۴۶/۱، كتاب الطهارة باب التكرار في غسل اليدين۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الصحیحة ۷/۶۷۴ ح ۲۸۴۰۔

(۴۲) یہ نکتہ مجھے علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز نے بتایا تھا، جب میں نے ان سے اس حدیث کا مطلب دریافت کیا۔

(۴۳) سنن النسائي، كتاب التطبيق، باب كيفية التشهد ح ۱۱۶۷ و ۱۱۶۸۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے (صحیح سنن النسائي ح ۱۱۸ و ۱۱۹)۔

بھی)۔ جب تم یہ کہو گے تو آسمان اور زمین میں اللہ کے ہر بندے کو یہ دعا پہنچ جائے گی۔ (پھر کہو) اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں)۔ اس کے بعد جو دُعا اسے اچھی لگے وہی منتخب کر کے پڑھ لے۔“ (۴۴)

اس کی ایک مثال یہ ہے، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسجد کی) قبلہ والی دیوار پر بلغم لگا دیکھا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ چیز انتہائی ناگوار محسوس ہوئی، حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہو گئے۔ آپ نے خود اٹھ کر اپنے ہاتھ سے کھرچ کر دیوار صاف کی اور فرمایا: ”جب کوئی شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب کے ساتھ سرگوشیاں کر رہا ہوتا ہے، اور رب قبلہ کی طرف اس کے سامنے ہوتا ہے لہذا کوئی شخص قبلہ کی طرف ہرگز نہ تھو کے، بلکہ بائیں طرف تھو کے، یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک لے۔“ پھر آپ ﷺ نے اپنی چادر کا ایک کونہ پکڑ کر اس میں تھوکا، اور کپڑے کا ایک حصہ دوسرے پر پلٹ دیا اور فرمایا: ”یا اس طرح کر لے۔“ (۴۵)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”کوئی شخص اپنے سامنے ہرگز نہ تھو کے، نہ دائیں طرف تھو کے، لیکن بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوک

(۴۴) صحیح البخاری کتاب الاذان باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشہد

ح ۸۳۵-

(۴۵) صحیح البخاری کتاب الصلاة باب حرك البزاق بالید من المسجد

ح ۳۰۵-

سکتا ہے۔“ (۳۶)

ایک اور مثال : حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجوریں (ایک عمدہ قسم کی کھجوریں) لے کر حاضر ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ”یہ کہاں سے آئیں؟“ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : ”ہمارے پاس کچھ ادنیٰ قسم کی کھجوریں تھیں، میں نے ان کے دو صاع کے بدلے ایک صاع یہ کھجوریں لے لیں، تاکہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کھانے کے لئے پیش کی جائیں۔“ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ”اوہو! یہ تو عین سود ہے، عین سود ہے! ایسے نہ کیا کرو۔ اگر تم خریدنا چاہو تو (اپنی ادنیٰ) کھجوریں الگ سودے کے طور پر بیچ دو، پھر (ان پیسوں سے) یہ (عمدہ کھجوریں) خرید لو۔“ (۳۷)

ایک روایت میں یوں ہے کہ : نبی اکرم ﷺ کا ایک غلام ایک دن ترو تازہ کھجوریں لے کر حاضر ہوا اور نبی اکرم ﷺ کی کھجوریں بارانی زمین میں تھیں، ان میں خشکی محسوس ہوتی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا : ”تمہیں یہ کھجوریں کہاں سے ملیں؟“ اُس نے عرض کیا : ”یہ ایک صاع ہم نے اپنی دو صاع کھجوروں کے بدلے خریدا ہے۔“ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ”ایسے نہ کیا کرو، یہ درست نہیں۔ بلکہ اپنی کھجوریں بیچ دو، پھر جو کھجوریں چاہو خرید لو۔“ (۳۸)

(۳۶) صحیح البخاری کتاب الصلاة باب لا یصق عن یمینہ فی الصلاة
ح ۳۱۲-

(۳۷) صحیح البخاری کتاب الوكالة باب اذا باع الوکیل شیئاً فاسداً
فیعمہ مردود ح ۲۳۱۲-

(۳۸) مسند احمد ۶۷/۳-

ہم دیکھتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے بعض علماء جب لوگوں کو ان کی غلطیوں پر متنبہ کرتے ہیں تو ان کے کام میں ایک نقص نظر آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ یہ بات تو واضح کر دیتے ہیں کہ فلاں کام غلط ہے اور فلاں کام حرام ہے، لیکن یہ نہیں بتاتے کہ اس کی جگہ انہیں کیا کام کرنا چاہیے، یا اس کام کا صحیح طریقہ کار کیا ہے۔ حالانکہ شریعت کا طریقہ یہ ہے کہ لوگ جن حرام طریقوں سے اپنی کوئی غرض پوری کرتے ہیں، شریعت ان کی جگہ ان کا متبادل پیش کرتی ہے۔ مثلاً جب زنا کو حرام قرار دیا گیا تو اس کے ساتھ نکاح کا صحیح طریقہ بتا دیا گیا۔ اسی طرح اگر سود حرام کیا گیا ہے تو اس کی جگہ تجارت کو جائز قرار دے دیا گیا۔ خنزیر، مردار، کچلی والے جانور اور بچے سے شکار کرنے والے پرندے حرام قرار دیئے گئے، تو دیگر مویشیوں اور شکار کئے جانے والے جانوروں کو ذبح کر کے کھانے کی اجازت دے دی گئی۔ اس کے علاوہ اگر کسی شخص سے حرام کام کا ارتکاب ہو جائے تو شریعت نے اس کیلئے توبہ اور کفارہ کا راستہ کھلا رکھا ہے، جس کی تفصیلات قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ لہذا مبلغ کو چاہیے کہ شریعت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نعم البدل پیش کرے، اور مشکل سے نکلنے کے لیے شرعی حل تلاش کرے۔ (۳۹)

یہاں یہ اشارہ کر دینا مناسب ہے کہ متبادل پیش کرنا ہر حال استطاعت کے مطابق ہی ممکن ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک کام غلط ہوتا ہے جس سے پرہیز کرنا واجب ہوتا ہے، لیکن حالات کی خرابی کی وجہ سے یا لوگوں کی شریعت سے دوری کی وجہ سے عملاً کوئی مناسب نعم البدل موجود نہیں ہوتا، یا

(۳۹) صحیح نعم البدل پیش کرنے کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ضعیف یا موضوع حدیث کے

جائے ایسی صحیح حدیث پیش کر دی جائے جس سے مقصود حاصل ہو جائے۔

داعی کو بروقت کوئی متبادل یاد نہیں آتا، یا وہ ان چیزوں سے واقف نہیں ہوتا جو صحیح متبادل بن سکتی ہیں۔ ان حالات میں بھی اس کے لئے غلطی پر متنبیہ کرنا اور بڑائی سے روکنا ضروری ہے، اگرچہ وہ ان کی توجہ کسی متبادل کی طرف مبذول نہ کرا سکے۔ ایسی صورت حال عام طور پر بعض مالی معاملات اور سرمایہ کاری کے ان طریقوں میں پیش آتی ہے جو غیر مسلم معاشروں میں وجود میں آئے اور پھر اپنی تمام قباحتوں اور خلافِ شریعت امور سمیت مسلمانوں کے معاشروں میں رواج پا گئے اور مسلمانوں کی کوتاہی اور کمزوری کی وجہ سے ان کا کوئی شرعی نعم البدل ایجاد کر کے رائج نہیں کیا جاسکا۔ اس کے باوجود حقیقت یہی ہے کہ یہ نقص اور کوتاہی ہے اور شریعت میں ان کے متبادل موجود ہیں اور ایسے حل موجود ہیں جن کو اختیار کر کے مسلمان اس مشکل سے نکل سکتے ہیں، خواہ کسی کو ان حلوں کا علم ہو یا نہ ہو۔

۱۱۳ غلطی سے محفوظ رہنے کی تدبیر بتانا:

حضرت ابو امامہ بنی نضیر نے اپنے والد حضرت سہل بن حنیف بنی نضیر سے ان کا ایک واقعہ روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام مجوسیہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہ مقام جُحُفہ کی وادی خزار میں پہنچے تو وہاں حضرت سہل بن حنیف بنی نضیر غسل کرنے لگے۔ ان کا رنگ گورا تھا اور جلد بہت خوش رنگ تھی۔ قبیلہ بنو عدی بن کعب کے ایک صاحب حضرت عامر بن ربیعہ بنی نضیر نے انہیں غسل کرتے ہوئے دیکھا تو کہا: ایسی جلد تو میں نے کبھی کسی پردہ نشین لڑکی کی بھی نہیں دیکھی (یعنی کتنا خوبصورت رنگ ہے)۔ اس پر حضرت سہل بنی نضیر تو وہیں زمین پر گر پڑے۔ کسی نے آکر رسول اللہ ﷺ سے

عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ سہل کو دیکھیں گے، اللہ کی قسم! وہ تو سر بھی نہیں اٹھاتے، انہیں کوئی افاقہ نہیں ہو رہا (سخت بخار ہے)۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم اس کے بارے میں کسی کو قصور وار سمجھتے ہو؟“ صحابہ نے کہا: عامر بن ربیعہ نے انہیں (کپڑے اتارے ہوئے) دیکھا تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے عامر بن ربیعہ کو طلب فرمایا، اور انہیں سرزنش فرمائی۔ ارشاد فرمایا: ”ایک آدمی اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے؟ اگر تجھے ایک چیز اچھی لگی تھی تو تو نے برکت کی زعا کیوں نہ دی؟“ پھر فرمایا: ”اس کے لئے اپنے اعضاء دھوؤ“۔ انہوں نے ایک برتن میں چہرہ، ہاتھ، کہنیاں، گھٹنے، پاؤں اور تہہ بند کے اندر والا حصہ دھو کر (وہ پانی) دے دیا۔ وہ پانی حضرت سہل بن ربیعہ پر ڈالا گیا۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جس کو نظر لگی ہو، کوئی شخص پانی اس کے پیچھے کی طرف سے اس کے سر اور کمر پر ڈال دے۔ پھر برتن بھی اس کے پیچھے ہی الٹا کر کے رکھ دے۔ چنانچہ حضرت سہل بن ربیعہ کے ساتھ ایسے ہی کیا گیا تو وہ ٹھیک ٹھاک ہو کر لوگوں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ (۵۰)

موطاً امام مالک میں بھی حضرت ابو امامہ بن ربیعہ سے یہ واقعہ مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ”میرے والد حضرت سہل بن حنیف بن ربیعہ نے وادی خزاعہ میں غسل کیا۔ انہوں نے جب پھینا ہوا تھا۔ جب انہوں نے (غسل کرنے کے لئے) جبہ اتارا تو عامر بن ربیعہ بن ربیعہ دیکھ رہے تھے۔ سہل بن ربیعہ کا رنگ گورا اور جلد خوش رنگ تھی۔ عامر بن ربیعہ بن ربیعہ نے کہا: ”اس جیسی جلد تو کبھی کسی کنواری لڑکی کی بھی نہیں دیکھی“۔ سہل بن ربیعہ کو وہیں بخار چڑھ گیا، اور بخار بھی زور کا چڑھا۔ جناب

(۵۰) مسند احمد ۴/۲۸۶-۴۸۶، امام بیہقی نے کہا ہے کہ مسند احمد کی روایت صحیح ہے۔ ملاحظہ

ہو مجمع الزوائد ۵/۱۰۷ ح ۸۲۲۶، باب ماجاء فی العین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے آکر عرض کیا: ”سہل“ کو بخار ہو گیا ہے اور وہ آپ کے ساتھ نہیں جا سکیں گے۔“ جناب رسول اللہ ﷺ حضرت سہل بنی امیہ کے پاس گئے تو انہوں نے عامر بنی امیہ کی بات بتائی۔ آنحضرت ﷺ نے (حضرت عامر بنی امیہ سے) فرمایا: ”ایک شخص اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے؟ تم نے برکت کی دعا کیوں نہ دی؟ نظر یقیناً حق ہے، اس کے لئے وضو کرو۔“ عامر بنی امیہ نے ان کے لئے وضو کیا۔ چنانچہ سہل بنی امیہ ٹھیک ٹھاک ہو کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ (۵۱)

اس واقعہ میں مندرجہ ذیل فوائد ہیں :

- جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو تکلیف پہنچنے کا سبب بنا ہو، تربیت کرنے والا اس پر ناراضگی کا اظہار کر سکتا ہے۔
- غلطی سے نقصان پہنچتا ہے اور بعض اوقات کوئی غلطی کسی کی جان بھی لے سکتی ہے۔
- ایسی تدبیر بتانا، جس سے مسلمان کو پہنچنے والے نقصان یا تکلیف کا سدباب ہو جائے۔

(۱۳) غلطی کرنے والے کو براہ راست مخاطب کرنے کے بجائے عمومی وضاحت پر اکتفا کرنا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ”کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھاتے ہیں؟“ حضور ﷺ نے اس بارے میں سختی سے تنبیہ فرمائی، حتیٰ کہ ارشاد فرمایا : ”وہ ضرور

(۵۱) موطا امام مالک، کتاب العین، باب الوضوء من العین ۲/۹۳۸۔

ضرور اس حرکت سے باز آجائیں، ورنہ ان کی آنکھیں چھین لی جائیں گی۔“ (۵۲)
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ
 کیا۔ ان کے مالکوں نے اس شرط پر بیچنے پر رضامندی ظاہر کی کہ ولاء (۵۳) ان
 لوگوں کی ہوگی۔ جب نبی اکرم ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے لوگوں میں کھڑے
 ہو کر اللہ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا :

”کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ ایسی شرائط عائد کرتے ہیں جو اللہ کی کتاب (یعنی
 شریعت) میں نہیں ہیں؟ جو شرط بھی اللہ کی کتاب میں نہیں وہ کالعدم ہے، اگرچہ
 سو شرطیں ہوں۔ اللہ کا فیصلہ زیادہ درست ہے اور اللہ کی (بیان کی ہوئی) شرط
 زیادہ پختہ ہے۔ (قانون یہ ہے کہ) ولاء اسی کی ہوتی ہے جو آزاد کرے۔“ (۵۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک کام کیا، اور
 اس کی اجازت دی، لیکن کچھ لوگوں نے اس سے پرہیز کیا۔ نبی اکرم ﷺ کو اس
 کا علم ہوا تو آپ نے خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا :

”کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ اس کام سے بچتے ہیں جو میں کرتا ہوں؟ اللہ کی
 قسم! میں اللہ کے بارے میں ان سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں (کہ کونسا کام اللہ کو

(۵۲) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب رفع البصر الى السماء في
 الصلاة ح ۵۰۔

(۵۳) آزاد کرنے والے اور آزاد ہونے والے کا باہمی تعلق ”ولاء“ کہلاتا ہے۔ آزاد
 ہونے کے بعد غلام اسی خاندان کا فرد شمار کیا جاتا ہے جس خاندان سے آزاد کرنے والے
 کا تعلق ہو۔ چنانچہ آزاد ہونے والا جب فوت ہو جائے تو اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو
 یہی آزاد کرنے والا اس کا وارث ہوتا ہے۔

(۵۴) صحیح البخاری، کتاب المکاتب، باب استعانة المکاتب
 وسؤاله الناس ح ۲۵۶۳۔

پسند ہے اور کون سا نہیں) اور ان سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھتا ہوں۔“ (۵۵)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مسجد

میں قبلہ کی طرف بلغم لگا دیکھا۔ آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا :
”کیا وجہ ہے کہ ایک آدمی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور اس کے چہرے
کی طرف تھوک دیتا ہے؟ کیا کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے سامنے آکر
اس کے چہرے پر تھوک دیا جائے؟ جب کسی کو بلغم پھینکنا ہو تو بائیں طرف اپنے
پاؤں کے نیچے پھینکے، ورنہ اس طرح کر لے۔“ (حدیث کے راوی قاسم نے بتایا
کہ صحابی نے کپڑے میں تھوک کر اسے مسل کرتایا)۔ (۵۶)

سنن نسائی میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے صبح کی نماز پڑھی
اور اس میں سورہ روم کی تلاوت کی، آپ کو قراءت میں التباس ہو گیا۔ جب
حضور علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا : ”لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ
ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور وضو اچھی طرح نہیں کرتے؟ قرآن میں یہی
لوگ ہمیں مشابہ ڈالتے ہیں۔“ (۵۷)

اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن میں مشترک چیز یہ ہے کہ غلطی
کرنے والے کو شرمندہ نہ کیا جائے۔ غلطی کرنے والے کو براہ راست مخاطب نہ

(۵۵) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من لم يواجه الناس بالعتاب
ح ۶۱۰۱۔

(۵۶) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن المصاق فی
المسجد ح ۵۵۰۔

(۵۷) سنن النسائی، کتاب الافتتاح، باب القراءة فی الصبح والروم
ح ۹۳۶۔ اس سے ملنے جلتے الفاظ میں مند احمد (۳/۳۷۳) میں بھی مروی ہے۔

کرنے اور اشارہ سے اس کی غلطی واضح کرنے کے اس اسلوب میں بہت سے فائدے ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں :

(۱) غلطی کرنے والے کی طرف سے منفی ردِ عمل کا خطرہ نہیں ہوتا۔ اس طرح شیطان اس کے انتقامی جذبات کو ہوا دے کر انتقام کی طرف مائل نہیں کر سکتا۔

(۲) اس اسلوب کو زیادہ قبول کیا جاتا ہے اور دل پر اس کا زیادہ گہرا اثر ہوتا ہے۔

(۳) اس سے غلطی کرنے والے کی پردہ پوشی ہوتی ہے۔

(۴) غلطی کرنے والے کے دل میں نصیحت کرنے والے کی قدر و منزلت اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ تعریض کے اس اسلوب کا مقصد یہ ہے کہ غلطی کرنے والے کو زسواکے بغیر مسئلہ سمجھا دیا جائے، لہذا یہ اسلوب اس وقت استعمال کرنا چاہیے جب اس کی غلطی عام لوگوں سے پوشیدہ ہو۔ لیکن اگر اکثر لوگوں کو اس کا علم ہو، اور اسے معلوم ہو کہ اکثر لوگ یہ بات جانتے ہیں، تو اس صورت میں یہ اسلوب سخت زجر و توبیخ کا حامل اور غلطی کرنے والے کے لئے سخت تکلیف دہ بن جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات تو وہ یہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ کاش اسے براہِ راست تنبیہ کر دی جاتی، اور اس کے ساتھ یہ اسلوب اختیار نہ کیا جاتا۔ اس کی تاثیر میں اس سے بھی فرق پڑتا ہے کہ بات کہنے والا کون ہے؟ اور کس کے سامنے بات کی جا رہی ہے؟ اور بات نصیحت اور خیر خواہی کے انداز سے کہی گئی ہے یا تنگ کرنے کے انداز سے؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بالواسطہ کلام کا یہ انداز تربیت کا ایسا انداز ہے جس

سے غلطی کرنے والے کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی بشرطیکہ اسے استعمال کرتے ہوئے حکمت سے کام لیا جائے۔

(۱۵) غلطی کرنے والے کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کرنا

یہ طریقہ بعض خاص حالات میں ہی استعمال کیا جاسکتا ہے، اور اس کے لئے حالات کا باریک بینی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کے بہت زیادہ منفی اثرات نہ ہوں۔ نبی اکرم ﷺ سے اس کی ایک مثال پیش خدمت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے پڑوسی کی شکایت کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”جاؤ، صبر کرو“۔ وہ دو تین دفعہ شکایت لے کر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ”جاؤ، اپنے گھر کا سامان راستے میں ڈال دو“۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ (گزرنے والے) لوگ اس سے پوچھتے، وہ وجہ بتا دیتا۔ لوگ پڑوسی کو بڑا بھلا کہتے، اللہ اس کے ساتھ یوں یوں کرے۔ آخر پڑوسی نے آکر اس سے کہا: ”(اپنے گھر میں) واپس آ جاؤ، آئندہ مجھ سے کوئی ایسی حرکت نہیں ہوگی جو تمہیں ناگوار ہو“۔ (۵۸)

اس کے برعکس ایک دوسرا اسلوب ہے، جو اور قسم کے حالات میں اور دوسرے قسم کے افراد کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ غلطی کرنے والے کو عام لوگ ناجائز طور پر تنگ نہ کریں۔ اس کی وضاحت آئندہ نکتہ سے ہوتی ہے۔

(۱۶) غلطی کرنے والے کے خلاف شیطان کی مدد کرنے سے پرہیز:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں

(۵۸) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی حق الجوار، ح ۵۱۵۳۔

علامہ البانی نے حدیث کو صحیح حسن کہا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح ابی داؤد ح ۳۲۹۲۔

ایک آدمی تھا، اس کا نام تو عبد اللہ تھا، لیکن حمار کے لقب سے معروف تھا۔ وہ (دل لگی کی باتیں کر کے) آنحضرت ﷺ کو خوش کر دیا کرتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے شراب نوشی کی سزا کے طور پر کوڑے بھی مارے تھے۔ ایک بار (پھر) اسے حاضر کیا گیا (کیونکہ اُس نے پھر شراب پی لی تھی)۔ آنحضرت ﷺ کے حکم سے اسے کوڑے مارے گئے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت کر، اسے کتنی بار (اس جرم میں پکڑ کر) لایا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اسے لعنت نہ کرو، جہاں تک مجھے علم ہے وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔“ (۵۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی کو حاضر کیا گیا جو نشے میں تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اسے مارا جائے۔ ہم میں سے کسی نے اسے ہاتھ سے مارا، کسی نے جوتے سے مارا، کسی نے کپڑے سے مارا۔ جب وہ (سزا پا کر) واپس ہوا، تو (حاضرین میں سے) کسی نے کہا: ”اسے کیا ہے؟ اللہ اسے رُسا کرے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے بھائی کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔“ (۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی کو حاضر کیا گیا جس نے شراب پی تھی۔ آپ نے فرمایا: ”اسے مارو۔“ صحابی فرماتے ہیں: ”ہم میں سے کسی نے اسے ہاتھ سے مارا، کسی نے جوتے سے، کسی نے کپڑے سے۔ جب وہ (سزا پا کر) واپس ہوا تو کسی نے کہا:

(۵۹) صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب ما یکرہ من لعن شارب

الخمیر... الخ ح ۶۷۸۰-

(۶۰) حوالہ سابقہ ج ۶۷۸۱-

”اللہ اسے زسوا کرے“۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یوں نہ کہو، اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔“ (۶۱)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسے ڈانٹ ڈپٹ کرو۔“ لوگ اس سے کہنے لگے: ”تو اللہ سے نہ ڈرا؟ تو نے اللہ کا خوف نہ کیا؟ تجھے رسول اللہ ﷺ سے شرم نہ آئی؟“ پھر اسے چھوڑ دیا۔ اس روایت میں ہے: ”یوں کہو: اے اللہ اسے بخش دے، اے اللہ اس پر رحم کر۔“ (۶۲)

ایک روایت میں ہے: جب وہ واپس ہوا، تو لوگوں میں سے کسی نے کہا: اللہ تجھے زسوا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایسے نہ کہو، اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو، بلکہ یوں کہو: بلکہ اللہ تجھ پر رحم کرے۔“ (۶۳)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جب کسی گناہ میں ملوث ہو جاتا ہے تو اس وقت بھی وہ مسلمان رہتا ہے، اور اس کے دل میں بنیادی طور پر اللہ اور اس کے رسول کی محبت باقی ہوتی ہے۔ لہذا اس کے ایمان اور اللہ سے محبت کا انکار درست نہیں، نہ اسے ایسی بددعا دینی درست ہے جس کے نتیجے میں اس کے خلاف شیطان کو مدد ملے، بلکہ اس کے لئے ہدایت، مغفرت اور رحمت کی دعا کرنی چاہیے۔

(۶۱) صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب الضرب بالجريد والنعال

ح ۶۷۷۷

(۶۲) سنن ابی داود، کتاب الحدود، باب الحد فی الخمر ح ۳۳۷۸

علامہ البانی نے صحیح کہا ہے، ملاحظہ ہو صحیح سنن ابی داود ح ۳۷۵۹۔

(۶۳) مسند احمد ۳۰۰/۲۔ استاذ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح کہا ہے، ملاحظہ ہو

شرح احمد شاکر ح ۷۹۷۳۔

(۱۷) غلط کام سے رُک جانے کو کہنا:

ایک بڑی اہم چیز یہ بھی ہے کہ غلطی کرنے والے کو غلطی کرتے چلے جانے سے منع کر دیا جائے، تاکہ وہ مزید غلطیوں کا مرتکب نہ ہو، اور بُرائی سے روکنے کا فریضہ بلا تاخیر انجام پا جائے۔

حضرت عمر بنیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے (کسی بات میں) یوں کہہ دیا: ”قسم ہے میرے باپ کی“۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رُک جائیے، جو شخص اللہ کے سوا کسی چیز کی قسم کھاتا ہے، وہ شرک کرتا ہے۔“ (۶۴)

سنن ابی داؤد میں حضرت عبد اللہ بن بُسر بنیؓ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن نبی اکرم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آگے بڑھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”بیٹھ جاؤ، تم نے (دوسروں کو) تکلیف پہنچائی ہے۔“ (۶۵)

امام ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں ڈکاری۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اپنی ڈکار روکو، جو لوگ دنیا میں زیادہ پیٹ بھرتے ہیں، قیامت کے دن وہ زیادہ دیر تک بھوکے رہیں گے۔“ (۶۶)

(۶۴) مسند احمد ۴/۱-۲۷۷۔ استاذ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح کہا ہے (ح ۳۲۹)

(۶۵) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب تخطیء رقاب الناس يوم الجمعة ح ۱۱۱۸۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح سنن ابی داؤد ح ۹۸۹۔

(۶۶) سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة، باب ۳۶، ح ۲۴۷۸۔

علامہ البانی نے حدیث کو دیگر معاون احادیث کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۱/۶۰۶-۶۱۱ ح ۳۴۳۔

ان احادیث میں غلطی کرنے والے کو براہ راست یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کام سے رُک جائے اور باز رہے۔

۱۸) اصلاح کے لئے غلطی کرنے والے کی رہنمائی :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقصد کے لئے کئی انداز اختیار فرمائے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں :

○ غلطی کرنے والے کی توجہ غلطی کی طرف مبذول کرانا، تاکہ وہ خود ہی اصلاح کر لے۔

اس کی ایک مثال حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا روایت کردہ ایک واقعہ ہے۔ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے، دیکھا کہ ایک شخص مسجد کے درمیان میں انگلیوں میں انگلیاں ڈالے اپنے خیالات میں کھویا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اشارہ سے متنبہ کیا، اسے اپنی غلطی کی سمجھ نہ آئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ”جب کوئی شخص نماز پڑھے تو اسے اپنی انگلیوں میں انگلیاں نہیں ڈالنا چاہئیں۔ یہ عمل شیطان کی طرف سے ہے۔ اور آدمی جب تک مسجد میں رہتا ہے، وہ باہر جانے تک نماز ہی میں ہوتا ہے۔“ (۶۷)

○ غلط کام کو دوبارہ صحیح طریقے سے انجام دینے کا حکم، بشرطیکہ ممکن ہو :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک طرف تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا، نماز پڑھی، پھر آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: ”وعلیکم السلام“

(۶۷) مسند احمد ۵۲/۳۔ استاذ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو شرح

احمد شاکر ج ۱۱۵۳۲۔

جا کر دوبارہ نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی۔“ اُس نے جا کر دوبارہ نماز پڑھی، پھر (نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں) حاضر ہوا اور سلام کہا۔ آپ نے فرمایا: ”وعلیکم السلام، جا کر دوبارہ نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی۔“ دوسری یا تیسری دفعہ میں اُس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے سکھا دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو (اچھی طرح سنوار کر) کامل وضو کر، پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر کہہ، پھر تجھے جو قرآن یاد ہے اس میں سے جو آسان معلوم ہو پڑھ لے، پھر رکوع کر، حتیٰ کہ تو اطمینان سے رکوع کر لے۔ پھر سر اٹھا حتیٰ کہ تو سیدھا کھڑا ہو جائے، پھر سجدہ کر حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کر لے، پھر سر اٹھا، حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جائے، پھر سجدہ کر، حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کر لے، پھر سر اٹھا حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جائے، پھر پوری نماز میں اسی طرح کر۔“ (۶۸)

قابل توجہ امور:

○ نبی اکرم ﷺ اپنے ارد گرد کے لوگوں کے کاموں کو توجہ سے ملاحظہ فرماتے تھے، تاکہ انہیں تعلیم دے سکیں۔ نسائی کی روایت میں یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: ”ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا اور نماز پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ رہے تھے لیکن ہمیں محسوس نہ ہوا۔ جب وہ (نماز سے) فارغ ہوا تو اُس نے آ کر رسول اللہ ﷺ کو سلام عرض کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جا کر دوبارہ نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی... الخ۔“ لہذا تربیت دینے والے میں یہ خوبی ہونی چاہیے کہ اپنے ساتھیوں کے افعال سے غافل نہ ہو۔

(۶۸) صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب من رد فقال: عليك السلام... ح ۶۲۵۱۔ الفاظ کے فرق کے ساتھ یہ حدیث صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں مروی ہے۔

○ تعلیم کی حکمت میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ غلطی کرنے والے کو وہی کام دوبارہ کرنے کو کہا جائے۔ ممکن ہے وہ اپنی غلطی سمجھ جائے اور خود ہی اس کی اصلاح کر لے، بالخصوص جبکہ غلطی واضح ہو، جو اس جیسے شخص سے نہیں ہونی چاہئے۔ ممکن ہے وہ بھول گیا ہو اور دوبارہ کرتے ہوئے اسے یاد آ جائے۔

○ اگر غلطی کرنے والا اپنی غلطی خود نہ سمجھ سکے تو تفصیل سے بیان کر دینا ضروری ہے۔

○ جب کوئی شخص کسی مسئلہ کو جاننے کی خواہش کرے، اس کے بارے میں سوال کرے، اور اس کا دل اس کی طرف متوجہ ہو، اس وقت مسئلہ بتانے سے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور زیادہ پختگی سے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر سوال کئے بغیر اور شوق پیدا ہوئے بغیر معلومات دی جائیں تو اس قدر فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

تعلیم کے بہت سے ذرائع ہیں، استاد حالات کے مطابق کوئی بھی مناسب ذریعہ اختیار کر سکتا ہے۔

غلط کام کو دوبارہ نئے سرے سے صحیح انداز سے کرنے کا حکم دینے کی ایک اور مثال صحیح مسلم کی وہ حدیث ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک آدمی نے وضو کیا، اس کے پاؤں پر ایک ناخن برابر جگہ خشک رہ گئی۔ نبی کریم ﷺ نے اسے دیکھ لیا اور فرمایا: ”واپس جا کر اچھی طرح وضو کرو“۔ وہ واپس گیا (اور وضو کیا) پھر نماز پڑھی۔ (۶۹)

(۶۹) صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب استیعاب جمیع اجزاء محل الطہارۃ ح ۲۳۳۔

ایک اور مثال سنن ترمذی کی حدیث ہے جو حضرت کلدہ بن ضبیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ حضرت صفوان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کچھ دودھ رکھیں (۷۰) اور ضغابیں (۷۱) دے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ حضور ﷺ اُس وقت وادی کے بلند حصے میں تشریف فرماتے تھے۔ حضرت کلدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں سلام کئے اور اجازت لئے بغیر اندر حضور ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”واپس جاؤ اور کہو: السلام علیکم، کیا میں اندر آ جاؤں؟“ (۷۲)

○ غلطی کی اصلاح کے لئے ممکن تلافی کا حکم دینا:

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کوئی مرد کسی نامحرم عورت کے ساتھ اکیلانہ رہے۔“ ایک آدمی نے اُٹھ کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ! میری بیوی حج کے لئے روانہ ہو گئی ہے اور میں نے فلاں غزوہ میں نام لکھو ا دیا ہے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”واپس جا کر اپنی بیوی کے ساتھ حج ادا کرو۔“ (۷۳)

○ غلطی کے آثار کی اصلاح:

سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی

(۷۰) گائے بھینس وغیرہ کا گاڑھا گاڑھا دودھ جو بچ پیدا ہونے پر تین روز تک نکلتا ہے۔
(بخاری: بوبلی)۔

(۷۱) کھیرے یا لکڑی کی قسم کی ایک چھوٹی چیز۔

(۷۲) سنن الترمذی، کتاب الاستئذان، باب ماجاء فی التسليم قبل الاستئذان ح ۱۷۱۰۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ح ۲۸۱/۲۸۱۸۔

(۷۳) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم، ح ۵۲۳۳۔

نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ”میں ہجرت کی بیعت کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، اور اپنے والدین کو روتے چھوڑ کر آ گیا ہوں۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”واپس جاؤ، اور جس طرح انہیں زلایا ہے، اسی طرح انہیں ہنساؤ۔“ (۷۴)

○ غلطی کا کفارہ ادا کرنا:

بعض غلطیاں ایسی ہیں جن کا ازالہ ناممکن ہے۔ شریعت نے انکے اثرات ختم کرنے کیلئے دوسرے طریقے مقرر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ کفارہ کی ادائیگی بھی ہے۔ کفارے کی بہت سی قسمیں ہیں، مثلاً قسم کا کفارہ، ظہار کا کفارہ، قتل خطا کا کفارہ، رمضان کے روزہ کے دوران ازدواجی اختلاط کا کفارہ، وغیرہ۔

(۱۹) جہاں غلطی ہو، اس پر تنبیہ کر کے باقی عمل کو قبول کرنا:

بعض اوقات کوئی بات یا کوئی کام سارے کا سارا غلط نہیں ہوتا، اس صورت میں حکمت کا تقاضا ہے کہ صرف اتنی چیز کو غلط کہا جائے جو غلطی پر مشتمل ہے، پوری بات یا سارے عمل کو غلط قرار نہ دیا جائے۔ اس کی دلیل صحیح بخاری کی وہ حدیث ہے جو حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا: جب میری رخصتی ہوئی تو نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ آپ میرے پاس اس طرح بیٹھ گئے جس طرح تم (۷۵) بیٹھے ہوئے ہو۔ ہماری کچھ بچیاں دف بجانے لگیں اور جنگ بدر میں ہمارے جو بزرگ جاں بحق

(۷۴) سنن النسائی، کتاب البيعة، باب البيعة على الهجرة ح ۴۱۷۴۔ علامہ البانی نے مکمل حوالوں کے ساتھ حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو ارواء الغلیل ۱۹/۵ ح ۱۱۹۹۔

(۷۵) یعنی حضرت خالد بن ذکوان، جنہیں حضرت ربیع رضی اللہ عنہما سے واقعہ بنا رہی تھیں۔

ہوئے تھے، ان کے بارے میں شعر پڑھنے لگیں۔ اس دوران ایک لڑکی نے یہ شعر پڑھا: ”وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ“ (ہم میں وہ نبی ہے جو کل کو پیش آنے والے حالات سے باخبر ہے)۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”یہ بات چھوڑ دو، اور جو کچھ تم پہلے کہہ رہی تھی، وہی کہتی رہو۔“ (۷۶)

ترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس بات سے خاموش رہو، اور وہ بات کہو جو تم اس سے پہلے کہہ رہی تھی۔“ (۷۷)

ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”یہ بات نہ کہو، جو کچھ کل ہونے والا ہے اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔“ (۷۸)

اس رویے کے نتیجے میں غلطی کرنے والے کو اصلاح کرنے والے کے عدل و انصاف کا احساس ہوتا ہے، جس کی وجہ سے غلطی کرنے والا اس کی تنبیہ کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس بعض لوگ غلطی دیکھ کر اس قدر غضب ناک ہوتے ہیں کہ وہ اس کی صحیح اور غلط پر مشتمل پوری بات کو غلط کہہ کر رد کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے غلطی کرنے والا بھی اپنی غلطی تسلیم کر کے اصلاح پر آمادہ نہیں ہوتا۔

بعض اوقات غلطی اُن الفاظ میں نہیں ہوتی جو کہے گئے ہیں، بلکہ جس موقعہ پر وہ الفاظ کہے گئے ہیں وہ صحیح نہیں ہوتا۔ جیسے جب کسی کی وفات ہو جاتی ہے تو

(۷۶) صحیح البخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة ح ۵۱۳۷۔

(۷۷) سنن الترمذی کتاب النکاح باب ماجاء فی اعلان النکاح ح ۱۰۹۰۔ امام ترمذی نے حدیث کو ”حسن صحیح“ کہا ہے۔

(۷۸) سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب الغناء والدف ح ۱۸۹۷۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحیح سنن ابن ماجہ ح ۱۵۳۹۔

تعزیت کے لئے آنے والوں میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ فاتحہ پڑھیں اور تمام حاضرین سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں۔ دلیل کے طور پر وہ کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن ہی پڑھا ہے کوئی کفریہ کلام تو نہیں پڑھا۔ تو ایسے لوگوں کے لئے یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ ان کے عمل میں جو غلطی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے اس موقع پر ایک عبادت کے طور پر فاتحہ کی تخصیص کر لی ہے حالانکہ اس کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں، اور بدعت یہی تو ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسی نکتہ کی طرف توجہ دلائی تھی جب ان کے قریب ایک شخص کو چھینک آئی اور اُس نے کہا: **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ** تو ابن عمر نے فرمایا: ”یہ تو میں بھی کہتا ہوں کہ سب تعریف اللہ کے لئے (الْحَمْدُ لِلّٰهِ) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو (وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ)؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح کہنے کی تعلیم نہیں دی بلکہ ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم ہر حال میں الحمد للہ کہیں“ (۷۹)

(۲۰) حق دار کو حق دلانے کے ساتھ ساتھ غلطی کرنے والے کے مقام کا

احترام برقرار رکھنا:

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: ”خاندانِ حمیر سے تعلق رکھنے والے ایک صحابی نے (جنگ کے دوران) دشمن کے ایک آدمی کو قتل کیا۔ انہوں نے مقتول کا سامان لینا چاہا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں وہ سامان دینے سے انکار کر دیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس فوج کے سپہ سالار تھے۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

(۷۹) سنن الترمذی کتاب الادب باب ما یقول العاطس اذا عطس

ح ۲۷۳۸-

خالد بن ولیدؓ سے فرمایا: ”آپ نے اسے مقتول کا سامان دینے سے کیوں انکار کیا؟“ انہوں نے کہا: ”یا رسول اللہ! میں نے محسوس کیا کہ یہ بہت زیادہ ہے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اسے وہ سامان دے دیجئے۔“ اس کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت عوف بن ولیدؓ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے حضرت خالدؓ کی چادر کھینچی، اور (حمیری صحابی کو مخاطب کرتے ہوئے) کہا: میں نے تجھ سے جو کچھ کہا تھا وہ کام رسول اللہ ﷺ سے کروادیا نا؟ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو غضبناک ہو گئے۔ فرمایا: ”خالد! اسے نہ دینا، خالد! اسے نہ دینا، کیا تم میرا لحاظ کر کے میرے (مقرر کردہ) امیروں کو چھوڑ نہیں سکتے؟ تمہاری اور ان کی مثال تو ایسے ہے جیسے ایک آدمی کو اونٹوں یا بکریوں کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی، اُس نے ان کا خوب اچھی طرح خیال رکھا۔ پھر ان کو پانی پلانے کے وقت کا خیال رکھا، اور انہیں (بر وقت) حوض پر لے گیا، انہوں نے پانی پینا شروع کیا تو صاف پانی پی لیا اور گدلا پانی چھوڑ دیا۔ تو صاف پانی تو تم لوگوں کے لئے ہے اور گدلا پانی ان (سالاروں) کے لئے؟“ (۸۰)

امام احمد رحمہ اللہ نے اس سے زیادہ تفصیل سے یہ واقعہ روایت کیا ہے۔ اس روایت کے مطابق حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ نے فرمایا: ہم شام کی طرف جہاد کے لئے گئے، حضرت خالد بن ولیدؓ کو ہمارا امیر مقرر کیا گیا۔ عوف فرماتے ہیں: حمیر کی امدادی فوج کا ایک آدمی ہمارے ساتھ آ ملا۔ وہ ہمارے خیمہ میں آ گیا۔ اس کے پاس صرف ایک تلوار تھی اور کوئی ہتھیار نہ تھا۔ ایک مسلمان نے ایک اونٹ ذبح کیا، اُس نے کسی نہ کسی طرح اس کی کھال کا ڈھال کی شکل کا

(۸۰) صحیح مسلم کتاب الجہاد باب استحقاق القاتل سلب القتیل

ح ۳۵۳۵ (۱۲/۶۳ مع شرح النووی)

ایک ٹکڑا حاصل کر لیا۔ اُس نے اسے زمین پر بچھا کر آگ جلا کر خشک کر لیا۔ پھر ڈھال کی طرح اُس کو ایک دستہ لگا دیا۔ پھر ایسا ہوا کہ دشمنوں سے ہماری مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ ان میں رومی بھی تھے اور قضاہ قبیلے کے عربی بھی۔ انہوں نے ہم سے بڑی شدید جنگ کی۔ ان کی فوج میں ایک رومی سرخ گھوڑے پر سوار تھا، جس کی کاٹھی پر سونا لگا ہوا تھا، اس کی پیٹی پر بھی بہت سا سونا لگا ہوا تھا، اور تلوار بھی ایسی ہی تھی۔ وہ مسلمانوں پر حملے کرنے لگا اور اپنے ساتھیوں کی حوصلہ افزائی کرنے لگا۔ مسلمانوں کی امدادی فوج کا وہ مجاہد اس رومی کی تاک میں رہا، حتیٰ کہ جب وہ اس کے پاس سے گزرا تو اس پر پیچھے سے حملہ کر دیا، اس کی تلوار گھوڑے کی ٹانگ پر لگی، وہ آدمی گر گیا۔ مجاہد نے اس پر تلوار کے وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی، تو اُس نے اپنے سامان کا مطالبہ کیا (جو مقتول کافر سے حاصل ہوا تھا) لوگوں نے گواہی دی کہ اسی نے اس رومی کو قتل کیا ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اُسے کچھ سامان دیا، باقی روک لیا۔ جب وہ حضرت عوف بن ولیدؓ کے خیمے میں آیا تو یہ بات بتائی۔ حضرت عوف بن ولیدؓ نے کہا: دوبارہ ان کے پاس جائیے، وہ باقی سامان بھی دے دیں گے۔ وہ دوبارہ گیا، لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس کا مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عوف بن ولیدؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس گئے اور فرمایا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فیصلہ ہے کہ سلب (مقتول کا ذاتی سامان) قاتل کے لئے ہوتا ہے؟ خالد بن ولیدؓ نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ یہ سامان اس کے لئے بہت زیادہ ہے۔ حضرت عوف بن ولیدؓ نے فرمایا: ”اگر میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی (یعنی جب بھی خدمت نبوی میں حاضر ہوا) تو یہ واقعہ ضرور عرض کروں گا۔“

جب وہ مجاہد مدینہ آیا تو حضرت عوف بنی نضیر کے کہنے پر اُس نے نبی اکرم ﷺ سے شکایت کی۔ آنحضرت ﷺ نے خالد بنی نضیر کو بلا لیا۔ (جب وہ آئے تو) عوف بنی نضیر (مجلس میں) بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”خالد! آپ نے اس شخص کو اس کے مقتول کا سامان کیوں نہیں دیا؟“ انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! میرا خیال تھا کہ وہ بہت زیادہ ہے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”وہ اسے دے دیجئے!“۔ (آنحضرت ﷺ کے پاس سے اٹھ کر) خالد بنی نضیر عوف بنی نضیر کے پاس سے گزرے تو عوف بنی نضیر نے ان کی چادر کھینچی اور (حمیری صحابی کو مخاطب کرتے ہوئے) کہا: میں نے تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ سے جو بات عرض کی تھی اس کا تمہیں فائدہ پہنچ جائے گا۔“ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن لی۔ آنحضرت ﷺ نے غضبناک ہو کر فرمایا: ”خالد! اسے مت دینا۔ کیا تم میرا لحاظ کر کے میرے (مقرر کردہ) امیروں کو نہیں چھوڑ سکتے؟ تمہاری اور ان (امراء) کی مثال تو ایسے ہے جیسے کسی شخص کو اونٹ یا بکریاں چرانے کی ذمہ داری سونپی گئی، اس نے انہیں چرایا، پھر ان کو پانی پلانے کے لئے اچھی جگہ تلاش کی، پھر انہیں (وہاں بنے ہوئے) حوض پر لے گیا، انہوں نے پانی پینا شروع کر دیا، اور (سارا) صاف پانی پی لیا، گدلا پانی چھوڑ دیا۔ (تمہاری حالت بھی یہی ہے کہ) صاف پانی تو تمہارے لئے ہے اور گدلا ان کے لئے!“۔ (۸۱)

ہم دیکھتے ہیں کہ جب حضرت خالد بنی نضیر سے اجتہادی غلطی سرزد ہوئی کہ انہوں نے قاتل کو زیادہ سلب نہیں دیا، تو نبی اکرم ﷺ نے حق دار کو اس کا حق دیئے جانے کا حکم دے کر اس غلطی کا ازالہ کر دیا۔ لیکن حضور ﷺ نے جب یہ سنا کہ حضرت عوف بنی نضیر نے حضرت خالد بنی نضیر کا مذاق اڑاتے ہوئے حمیری صحابی

سے کہا کہ میں نے تجھ سے جو کچھ کہا تھا، کیا میں نے وہ کام رسول اللہ ﷺ سے کروا دیا یا نہیں؟ تو آنحضرت ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی چادر کھینچی تھی جب وہ ان کے پاس سے گزر رہے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”خالد! اسے مت دینا“۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ امیر اور قائد پر اعتماد بحال رکھا جائے، کیونکہ لوگوں میں ان کے مقام کو قائم رکھنے میں واضح فوائد موجود ہیں۔

یہاں ایک اشکال پیش آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب قاتل سلب کا مستحق تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کا حق کیوں روک لیا؟

امام نووی رضی اللہ عنہ نے اس اشکال کے دو جواب دیئے ہیں۔

(۱) ممکن ہے نبی اکرم ﷺ نے بعد میں قاتل کو مقتول کا سامان (سلب) دلوادیا ہو۔ اس کو سلب دلوانے میں تاخیر کا مقصد اسے اور عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کرنا تھا، کیونکہ انہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں نامناسب الفاظ استعمال کئے اور اس طرح لشکر کے قائد اور انہیں قائد مقرر کرنے والے کے احترام کے منافی رویہ اختیار کیا۔

(۲) ممکن ہے سلب کے مالک نے اپنی خوشی اور اختیار سے اپنا وہ حق چھوڑ دیا ہو، اور اسے عام مسلمانوں کا حق قرار دے دیا ہو۔ اس کا مقصد حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی دل شکنی کا ازالہ تھا، اور اس میں مصلحت یہ تھی کہ لوگوں کے دلوں میں امیروں کا احترام قائم رہے۔

جس شخص کے ساتھ نامناسب رویہ اختیار کیا گیا ہو، اس کا مقام بحال کرنے کی ایک اور مثال مسند احمد کی یہ حدیث ہے جو حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا اور

انہیں سلام کہا، انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ جب وہ آگے گزر گیا تو اہل مجلس میں سے ایک شخص بولا: ”اللہ کی قسم! میں تو اس (گزرنے والے) آدمی سے اللہ کے لئے نفرت کرتا ہوں۔“ اہل مجلس نے کہا: ”اللہ کی قسم! تو نے بہت بڑی بات کہی۔ ہم ضرور اسے بتائیں گے۔“ (اس کے بعد انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو کہا) ”اے فلاں! اٹھ کر اسے بتاؤ!“۔ ان کے بھیجے ہوئے آدمی نے اس سے مل کر اسے یہ بات بتائی۔

وہ شخص وہیں سے واپس ہو کر جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا اور عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! میں مسلمانوں کی ایک مجلس کے پاس سے گزرا، ان میں فلاں شخص بھی موجود تھا، میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے جواب دیا۔ جب میں آگے گزر گیا تو ان میں سے ایک آدمی نے مجھ تک پہنچ کر مجھے بتایا کہ فلاں نے کہا ہے: اللہ کی قسم! میں اس آدمی سے اللہ کے لئے نفرت کرتا ہوں۔ اسے بلا کر دریافت کیجئے وہ مجھ سے کس بنیاد پر بغض رکھتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور اس سے وہ بات دریافت کی جو اس شخص نے بتائی تھی۔ اُس نے اعتراف کیا اور کہا: ”اللہ کے رسول! میں نے واقعی یہ بات کہی ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم اس سے کیوں بغض رکھتے ہو؟“۔ اُس نے کہا: ”میں اس کا ہسیا ہوں اور اس سے خوب واقف ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے اسے اس (فرض) نماز کے سوا کوئی نماز پڑھتے نہیں دیکھا جو ہر نیک و بد پڑھتا ہی ہے۔“ اُس آدمی نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! اس سے دریافت کیجئے کیا میں نے کبھی نماز وقت سے تاخیر کر کے پڑھی ہے؟ یا کبھی بڑی طرح سے وضو کیا ہے؟ یا نماز کے رکوع سجد صحیح انداز سے ادا نہیں کیے؟“ رسول اللہ ﷺ نے اس (شکایت کرنے والے) سے پوچھا تو اُس نے کہا: ”جی

نہیں۔“ پھر کہا: ”اللہ کی قسم! یہ مہینہ (رمضان) جس میں نیک و بد سب روزے رکھتے ہیں، اس کے علاوہ میں نے اسے کبھی روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔“ اُس نے کہا ”یا رسول اللہ! کیا اس نے کبھی دیکھا ہے کہ میں نے رمضان میں روزہ چھوڑا ہو؟ یا اس کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کی ہو؟“ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تو اُس نے کہا: ”جی نہیں۔“ پھر کہا: ”اللہ کی قسم! میں نے اسے کبھی کسی سائل کو کچھ دیتے نہیں دیکھا، نہ کسی نیکی کے کام میں فی سبیل اللہ خرچ کرتے دیکھا ہے، سوائے اس زکوٰۃ کے جو ہر نیک و بد ادا کرتا ہے۔“ اُس نے کہا: ”یا رسول اللہ! اس سے پوچھے کیا میں نے زکوٰۃ میں سے کبھی کوئی چیز چھپائی ہے؟ یا اس کی ادائیگی میں لیت و لعل کی ہے؟“ رسول اللہ ﷺ نے اس سے یہ بات پوچھی تو اُس نے کہا: ”جی نہیں۔“ پھر آنحضرت ﷺ نے شکایت کرنے والے سے فرمایا:

”جاؤ، کیا معلوم وہ تم سے بہتر ہو۔“ (۸۲)

یہ بات بہت اہم ہے کہ غلطی کرنے والا جب اپنی غلطی سے رجوع کر کے توبہ کر لے تو پھر اس کے مقام و مرتبہ کا مناسب خیال رکھا جائے، تاکہ وہ راہِ راست پر قائم رہ کر لوگوں کے ساتھ حسب معمول زندگی گزار سکے۔ وہ مخزومی خاتون جس کا ہاتھ چوری کے جرم میں کاٹ دیا گیا تھا، اس کے واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا ہے: ”بعد میں وہ خاتون اچھے انداز سے تائب ہو گئیں اور انہوں نے شادی کر لی۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا کرتی تھیں، تو انہیں جو کام ہوتا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کر دیا کرتی تھی۔“ (۸۳)

(۸۲) مسند احمد ۵/۳۵۵

(۸۳) صحیح مسلم کتاب الحدود باب قطع السارق الشریف وغیرہ

(۲۱) مشترکہ غلطی میں فریقین کو تنبیہ کرنا:

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ غلطی میں دونوں فریق شریک ہوتے ہیں، اور جس شخص کے حق میں غلطی ہوئی ہوتی ہے خود وہ بھی غلطی پر ہوتا ہے، اگرچہ ایک فریق کی غلطی دوسرے سے زیادہ ہو۔ اس صورت میں غلطی سے تعلق رکھنے والے دونوں فریقوں کو تنبیہ یا نصیحت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی ایک مثال درج ذیل ہے:

حضرت عبداللہ بن اوفیؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی شکایت کی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”خالد! جنگِ بدر میں شریک ہونے والے ایک آدمی کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر آپ اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دیں تو اس کے عمل (کے برابر ثواب) کو نہیں پہنچ سکتے۔“

انہوں نے عرض کیا: ”لوگ مجھے نامناسب باتیں کہہ دیتے ہیں، تو میں بھی جواب دے دیتا ہوں۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”خالد کو تکلیف نہ پہنچاؤ، وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جو اُس نے کافروں پر مسلط کر دی ہے۔“ (۸۴)

(۲۲) غلطی کرنے والے سے متاثرہ فریق سے معذرت کا مطالبہ کرنا:

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: عرب لوگ سفر میں ایک دوسرے کی خدمت کیا کرتے تھے۔ (ایک سفر میں) حضرت ابو بکر اور

(۸۴) المعجم الصغير للطبرانی ۱/۲۲۵ ح ۵۷۱ والمعجم الكبير ۳/۱۰۴ ح ۳۸۰۱- و كشف الاستار بزوائد البزار ۳/۲۶۶ (مناقب خالد بن الوليد) ح ۲۷۱۹-

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک آدمی تھا، جو ان کی خدمت کرتا تھا۔ (ایک بار ایسا ہوا کہ) وہ دونوں سو گئے، جب جاگے تو اس شخص نے ابھی ان کے لئے کھانا تیار نہیں کیا تھا۔ ان حضرات میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ”یہ شخص بہت سوتا ہے۔“ پھر اسے جگایا اور کہا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنا: ابو بکر اور عمر سلام عرض کرتے ہیں اور سالن مانگ رہے ہیں۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ان دونوں کو سلام کہنا اور انہیں بتانا کہ وہ سالن کھا تو چکے ہیں۔“ (جب انہیں یہ پیغام ملا تو) وہ فوراً گھبرائے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ”اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ کی خدمت میں سالن کے لئے آدمی بھیجا تو آپ نے ارشاد فرمایا: وہ سالن کھا چکے ہیں، ہم نے کون سا سالن کھالیا ہے؟“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھالیا ہے، اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مجھے تمہارے دانتوں میں اس کا گوشت نظر آ رہا ہے۔“ (یعنی جس کی غیبت کی تھی، اس کا گوشت دانتوں میں لگا ہوا ہے۔) ان دونوں نے عرض کیا: ”ہمارے لئے مغفرت کی دعا فرمائیے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”وہی تمہارے لئے بخشش کی دعا کرے۔“ (۸۵)

(۲۳) غلطی کرنے والے کو متاثرہ فریق کی فضیلت یاد دلانا، تاکہ وہ نادام ہو کر معذرت کر لے:

جب حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہو گئی تھی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی کیا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”صحیح“ کی ”کتاب التفسیر“ میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا:

(۸۵) سلسلة الاحادیث الصحيحة للالبانی ۱/ ۲۱۱ ح ۲۶۰۸ بحوالہ مساوی الاخلاق للخرائطی والمختارہ للمقدسی۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ بات چیت ہو رہی تھی کہ (کسی بات کی وجہ سے) عمر رضی اللہ عنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئے اور غصے کی حالت میں ان کے پاس سے چلے آئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے پیچھے آئے اور ان سے درخواست کی کہ ان کے لئے اللہ سے بخشش کی دعا کریں، انہوں نے یہ بات نہ مانی، بلکہ اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت ابو برداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم بھی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے (انہیں دیکھتے ہی) فرما دیا: ”تمہارے اس ساتھی کا تو (کسی سے) جھگڑا ہو گیا ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے طرز عمل پر ندامت محسوس ہوئی، وہ آئے اور سلام کر کے نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھ گئے اور جناب رسول اللہ ﷺ کو پوری بات بتائی۔ آنحضرت ﷺ کو غصہ آ گیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہنا شروع کر دیا: ”یا رسول اللہ! بخدا، میری ہی زیادہ غلطی تھی۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کیا تم لوگ میرا لحاظ کر کے میرے ساتھی کو نہیں چھوڑ سکتے؟ کیا تم لوگ میرا لحاظ کر کے میرے ساتھی کو نہیں چھوڑ سکتے؟ میں نے کہا: لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغام رساں بن کر آیا ہوں۔ (اُس وقت) تم سب نے کہا: آپ غلط کہتے ہیں اور ابو بکر نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔“ (۸۶)

صحیح بخاری ہی میں کتاب المناقب میں بھی یہ واقعہ حضرت ابو برداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ آ گئے، انہوں نے اپنے کپڑے کا کنارہ پکڑا ہوا تھا حتیٰ کہ ان کا گھٹنا ظاہر ہو رہا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے ساتھی کا جھگڑا ہو گیا ہے۔“ (اتنے میں وہ

حضور ﷺ تک آپنچے) انہوں نے سلام کیا اور کہا: ”میرے اور ابن خطاب کے درمیان کچھ بات چیت ہو گئی، میں جلد بازی میں انہیں کچھ کہہ بیٹھا، پھر مجھے ندامت ہوئی، میں نے انہیں کہا کہ مجھے معاف کر دیں، انہوں نے انکار کر دیا، تب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔“ اللہ کے رسول ﷺ نے تین بار فرمایا: ”ابو بکر! اللہ تیری مغفرت فرمائے۔“ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو ندامت محسوس ہوئی، وہ ابو بکر رضی اللہ عنہما کے گھر پہنچے اور پوچھا: ”یہاں ابو بکر ہیں؟“ گھر والوں نے کہا: ”جی نہیں۔“ وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ نبی اکرم ﷺ کے چہرہ مبارک پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے حتیٰ کہ ابو بکر رضی اللہ عنہما ڈر گئے۔ انہوں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دوبارہ کہا: ”یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میری غلطی زیادہ تھی۔“ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا۔ تم لوگوں نے کہا: آپ غلط کہتے ہیں۔ ابو بکر نے کہا: حضور سچے ہیں۔ اُس نے اپنی جان اور مال کے ساتھ میری دلجوئی کی۔ تو کیا تم میرے لئے میرے ساتھی سے درگزر کر سکتے ہو؟“ آپ نے دوبارہ یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد کبھی کسی نے ابو بکر رضی اللہ عنہما کا دل نہیں دکھایا۔ (۸۷)

۲۴) فریقین کے درمیان مداخلت کر کے جذبات ٹھنڈے کرنا، تاکہ فتنہ بڑھنے سے پہلے ختم ہو جائے:

جناب رسول اللہ ﷺ نے متعدد مواقع پر یہ پالیسی اختیار فرمائی ہے کہ جب مسلمانوں میں لڑائی کی نوبت آئی تو آنحضرت ﷺ نے مداخلت کر کے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ جب منافقوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ناپاک بہتان لگایا تھا، اس واقعہ کی تفصیل میں مذکور ہے:

(۸۷) صحیح البخاری، کتاب فضائل الصحابة باب ۵ ح ۳۶۱۔

اُس دن رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور عبد اللہ بن اُبی کے بارے میں فرمایا: ”اے مسلمانو! کون ہے جو اس شخص کی چیرہ دستیوں سے میری عزت بچائے، جس نے مجھے میرے گھر والوں کے بارے میں تکلیف پہنچائی ہے؟ اللہ کی قسم! میں اپنے اہل کے بارے میں صرف بھلائی ہی جانتا ہوں (ان کا کوئی گناہ یا غلطی نہیں جانتا) اور ان لوگوں نے جس شخص کا نام لیا ہے اس کے بارے میں بھی صرف بھلائی ہی جانتا ہوں۔ وہ کبھی میری غیر موجودگی میں میرے گھر نہیں آیا۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: قبیلہ بنی عبد الاشہل سے تعلق رکھنے والے صحابی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ اگر وہ (میرے) قبیلہ اوس سے ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اور اگر وہ ہمارے برادر قبیلہ خزرج سے ہے تو بھی آپ حکم فرمائیں، ہم تعیل کریں گے۔“ (یہ بات سن کر) قبیلہ خزرج کا ایک آدمی اٹھا، حضرت حسان بنی اللہ کی والدہ اس کے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں اور اس کی چچا زاد تھیں، یہ صاحب خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ویسے تو وہ نیک آدمی تھے، لیکن (اُس دن) قبیلہ کی حمیت جوش میں آگئی۔ انہوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا: ”تم غلط کہتے ہو، تم اسے ہرگز قتل نہیں کر سکتے۔ اگر وہ تمہارے قبیلہ سے ہو تا تو تمہیں اس کا قتل ہونا کبھی پسند نہ ہوتا۔“ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا: ”تم غلط کہتے ہو، اللہ کی قسم! ہم اسے ضرور قتل کریں گے۔ تم تو منافق ہو جو منافقوں کی حمایت کرتے ہو۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: چنانچہ دونوں قبیلے اوس اور خزرج غصے میں آگئے حتیٰ کہ معلوم ہوتا تھا کہ آپس میں لڑپڑیں گے اور رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے تھے۔ آپ انہیں سمجھاتے بجاتے رہے

حتیٰ کہ وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ (۸۸)

اسی طرح ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنی عمرو بن عوف کے لوگوں میں صلح کرانے کے محلے میں تشریف لے گئے، حتیٰ کہ اس کی وجہ سے مسجد نبوی میں نماز باجماعت میں تاخیر ہو گئی۔ یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے۔ سنن نسائی میں یہی واقعہ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ایک بار انصار کے دو گھرانوں کے مابین کچھ تلخ کلامی ہو گئی، بات یہاں تک بڑھی کہ دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کی طرف پتھر پھینکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ نماز کا وقت ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے تو بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے لئے آگے کھڑے ہو گئے... الخ (۸۹)

مسند احمد میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا: بنو عمرو بن عوف کی آپس میں لڑائی ہو گئی ہے اور انہوں نے ایک دوسرے کی طرف پتھر پھینکے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں صلح کرانے کے لئے روانہ ہو گئے... الخ (۹۰)

(۸۸) صحیح البخاری کتاب المغازی باب حدیث الافک ح ۴۱۴۱

و صحیح مسلم کتاب التوبة باب فی حدیث الافک ح ۲۷۷۰

(۸۹) سنن النسائی کتاب آداب القضاة باب مصیر الحاکم الی رعیتہ

للصلح بینہم ح ۵۳۲۸۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح

سنن النسائی ح ۵۰۰۳۔

(۹۰) مسند احمد ۵/۳۳۸۔

(۲۵) غلطی پر غصے کا اظہار :

جب اصلاح کرنے والا یا عالم آدمی ایک غلط کام ہو تا دیکھے یا کسی سے غلط بات سنے تو ناراضگی کا اظہار کر سکتا ہے، خاص طور پر جب کہ غلطی کا تعلق عقیدے سے ہو۔ اس کی ایک مثال تقدیر کے بارے میں بحث اور قرآن کے بارے میں اختلاف ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے اپنے والد حضرت شعیب بن محمد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور انہوں نے اپنے دادا حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بیان فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے تو وہ تقدیر کے متعلق بحث کر رہے تھے۔ غصہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک اس طرح (سرخ) ہو گیا جیسے انار کے (سرخ) دانے نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ آپ نے فرمایا : ”کیا تمہیں اس کام کا حکم دیا گیا ہے؟“ یا فرمایا : ”کیا تمہیں اس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی آیات کو باہم ٹکرانے لگو؟ تم سے پہلی اُمتیں بھی اسی وجہ سے تباہ ہوئی تھیں۔“ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا : مجھے اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ میں اس مجلس میں موجود نہیں تھا۔ (۹۱)

ابن ابی عاصم نے اپنی تصنیف ”کتاب السنۃ“ میں یہ روایت درج کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے تو وہ تقدیر کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔ کوئی ایک آیت کو اپنے موقف کے حق میں پیش کر رہا تھا، کوئی دوسری آیت سے اپنا موقف ثابت کرنا چاہتا تھا۔ آپ کا چہرہ مبارک اسی طرح ہو گیا گویا اس پر انار کے دانے بکھرے ہوئے ہیں۔ فرمایا : ”کیا تمہیں

(۹۱) سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب فی القدر ح ۸۵۔ علامہ البانی نے حدیث

کو صحیح کہا ہے، ملاحظہ ہو صحیح ابن ماجہ ح ۶۹۔

اس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے؟ یا تمہیں اس کا حکم دیا گیا ہے؟ اللہ کی کتاب کو باہم مت ٹکراؤ۔ دیکھو، تمہیں جس کام کا حکم دیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور جس کام سے منع کیا گیا ہے اس سے پرہیز کرو۔“ (۹۲)

بنیادی مسائل میں غلطی پر تنبیہ کرتے ہوئے ناراضگی کا اظہار کرنے کی ایک مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ ہے جس سے علم کے ماخذ کا مسئلہ واضح ہو جاتا ہے۔ مسند احمد میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اہل کتاب میں سے کسی کے پاس سے ایک کتاب مل گئی، وہ نبی اکرم ﷺ کو پڑھ کر سنانے لگے تو حضور ﷺ غضبناک ہو گئے اور فرمایا: ”خطاب کے بیٹے! کیا تم لوگ بھی اس (شریعت) کے بارے میں ٹانک ٹوئیاں مارو گے؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تمہارے پاس اُجلی اور صاف شفاف شریعت لے کر آیا ہوں۔ تم ان (اہل کتاب) سے کچھ نہ پوچھو، ممکن ہے وہ تمہیں صحیح بات بتائیں اور تم اس کو جھٹلا دو، یا وہ غلط بات بتائیں اور تم اسے سچ مان لو۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔“ (۹۳)

داری نے بھی یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تورات کا ایک نسخہ لے آئے اور کہا: ”اے اللہ کے رسول! یہ تورات کا نسخہ ہے۔“ آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھنا شروع کر

(۹۲) السنۃ لابن ابی عاصم ص ۷۷ اباب ۸۵ ح ۳۰۶۔ علامہ البانی نے حدیث کو حسن کہا ہے۔ ملاحظہ ہو ۱۷۸/۲۔ نیز دیکھئے مسند احمد ۱۷۸/۲۔ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ۶۶۶۸ ح۔

(۹۳) مسند احمد ۳/۳۸۷۔ علامہ البانی نے دیگر روایات کی روشنی میں حدیث کو حسن کہا ہے۔ ملاحظہ ہو ارواء الغلیل ۶/۳۳ ح ۱۵۸۹۔

دیا اور رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہونا شروع ہو گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: عمر، تو گم ہو جائے، تم رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کی کیفیت نہیں دیکھ رہے؟“ عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے روئے اقدس پر نظر ڈالی تو (فوراً) بول اٹھے:

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ ﷺ رَضِينَا
بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا

”اللہ کی ناراضگی سے اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ ہم اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ بَدَا لَكُمْ مُوسَى فَاتَّبَعْتُمُوهُ
وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ، وَلَوْ كَانَ حَيًّا
وَأَذْرَكَ نُبُوتِي لَا تَبْعَنِي))

”قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، اگر موسیٰؑ بھی تمہارے سامنے آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو، تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔ اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو ضرور میری پیروی کرتے۔“ (۹۴)

اس حدیث کی تائید حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کے کچھ ورق لے کر رسول اللہ ﷺ کی

(۹۴) سنن الدارمی، المقدمة، باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقول غیرہ عند قوله - ۱۱۵/۱ ح ۴۳۷ -

خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ”یہ تورات کے کچھ ورق ہیں جو مجھے بنو زریق سے تعلق رکھنے والے اپنے ایک دوست سے ملے ہیں۔“ جناب رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کی کیفیت تبدیل ہو گئی (یعنی غصہ کے آثار ظاہر ہو گئے)۔ حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہما — جنہیں خواب میں اذان دکھائی گئی تھی — انہوں نے فرمایا: ”کیا اللہ نے تمہاری عقل ختم کر دی ہے؟ کیا تم اللہ کے رسول ﷺ کے چہرہ مبارک کی کیفیت نہیں دیکھ رہے؟“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”ہم اللہ کی ربوبیت پر، اسلام کے دین ہونے پر، محمد ﷺ کی نبوت پر اور قرآن کی امامت پر راضی ہیں۔“ جناب رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی ختم ہو گئی۔ پھر آپ نے فرمایا: ”قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، اگر موسیٰ (علیہ السلام) تمہارے درمیان موجود ہوں، پھر تم ان کی پیروی کرنے لگو اور مجھے چھوڑ دو، تو بہت زیادہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ اُمتوں میں سے تم میرے حصہ میں آئے ہو اور نبیوں میں سے میں تمہارے حصہ میں آیا ہوں۔“ (۹۵)

اس واقعہ سے مرثیٰ کا ایسا کردار سامنے آتا ہے جسے حاضرین کی تائید حاصل ہے، جنہوں نے مرثیٰ کے چہرہ کے تاثرات دیکھ کر ایک موقف اختیار کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جسے نصیحت کرنا مقصود ہے وہ جب ان تمام امور کو بیک وقت ملاحظہ کرتا ہے تو اس کے دل پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ اگر مندرجہ بالا واقعہ کا تفصیل سے جائزہ لیا جائے تو اس میں مندرجہ ذیل مراحل نظر آتے ہیں:

(۱) غلطی سامنے آنے پر جناب رسول اللہ ﷺ پر اس کا شدید اثر ہوا اور کلام فرمانے سے پہلے ہی آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر ناراضگی کے آثار

(۹۵) امام بیہقی نے المعجم الکبیر للطبرانی کے حوالے سے حدیث بیان کی ہے اور ضعیف کہا ہے۔ ملاحظہ ہو مجمع الزوائد ۱/۱۷۴ ح ۸۱۰۔

ظاہر ہو گئے۔

(۲) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو

فوراً محسوس فرمایا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا، اور انہوں نے فوراً اصلاح کر

کے معذرت کی، اور اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ

طلب کرتے ہوئے اس بنیادی اصول کا اظہار فرمادیا کہ انہیں اللہ اور اس

کے رسول کی خوشنودی مطلوب ہے اور وہ دین اسلام سے خوش ہیں۔

(۴) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی محسوس فرمائی ہے اور

اس سے رجوع کر لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے دکنے لگا۔

(۵) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے بنیادی اصول کی تائید فرمائی اور

اس کی تاکید فرماتے ہوئے یہ واضح کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی

واجب ہے، اور علم کے دوسرے نام نہاد آخذ سے بچنا ضروری ہے۔

غلط کام دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناراض ہو جانے کی ایک اور مثال صحیح

بخاری میں مذکور وہ واقعہ ہے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف (دیوار پر) بلغم لگا دیکھا، حضور کو یہ دیکھ کر بہت

افسوس ہوا، حتیٰ کہ آپ کے چہرہ مبارک سے اس کا اظہار ہوا۔ آپ نے اٹھ

کراپنے ہاتھ سے اسے کھرچ دیا اور فرمایا :

”جب کوئی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے باتیں کر رہا ہوتا ہے

اور اس کا رب اُس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ اس لئے کسی کو قبلہ کی

طرف ہرگز نہیں تھوکننا چاہیئے بلکہ بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوکننا چاہیئے۔“

پھر آپ نے اپنی چادر کا ایک کونا پکڑ کر اس میں تھوکا، اور اس کے ایک حصہ کو

دوسرے پر پلٹ دیا اور فرمایا: ”یا اس طرح کر لے“۔ (۹۶)

نبی اکرم ﷺ کو جب ایک غلطی کا علم ہوا، جس کے نتیجے میں ایک خرابی پیدا ہو رہی تھی، تو آنحضرت ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اس کی مثال صحیح بخاری کی وہ حدیث ہے جو حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: ایک آدمی نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ! میں تو فلاں شخص کی وجہ سے فجر کی نماز سے پیچھے رہ جاتا ہوں (باجماعت ادا نہیں کر سکتا)“، کیونکہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے۔“ میں نے نبی اکرم ﷺ کو وعظ کے دوران کبھی اس قدر غصے میں نہیں دیکھا جتنے اس دن ناراض ہوئے۔ پھر فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ مِنْكُمْ مُتَقَرِّبِينَ، فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ

فَلْيُوجِزْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيرُ وَالضَّعِيفُ وَذَا الْحَاجَةِ))

”لوگو! تم میں سے کچھ لوگ نفرت پھیلانے والے ہیں، جو شخص لوگوں کو

نماز پڑھائے وہ مختصر (قراءت وغیرہ) کرے، ان میں بوڑھے، کمزور اور

کام والے بھی ہوتے ہیں۔ (۹۷)

اگر مسئلہ پوچھنے والا آدمی حد سے زیادہ تکلف کا شکار ہو اور خواہ مخواہ سختی

میں گرفتار ہو تو مفتی کا اظہار غضب بھی اسی قبیل سے ہے۔ حضرت زید بن خالد

جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی خدمت نبوی میں حاضر ہوا، اور

(۹۶) صحیح البخاری کتاب الصلاة باب حَكَّ البِزَاقِ بِالْيَدِ مِنَ الْمَسْجِدِ

ح ۴۰۵-

(۹۷) صحیح البخاری کتاب الاذان باب تخفيف الامام في القيام

ح ۷۰۲-

گری پڑی چیز کے بارے میں مسئلہ پوچھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ایک سال تک اس کا اعلان کر، اس کے بعد اس کا طرف (مثلاً رقم کا بٹوہ وغیرہ) اور بندھن (یعنی کس چیز سے باندھا گیا ہے) وغیرہ یاد رکھ۔ اگر اس کا مالک آکر تجھے (نشانیوں) بتا دے (تو ٹھیک ہے، اس کی چیز اسے دے دی جائے)؛ ورنہ اسے خرچ کر لے۔“ اُس نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! گم شدہ بکری ملے تو؟“ فرمایا: ”وہ تیری ہے، یا تیرے بھائی کی ہے یا بیٹھریے کی ہے۔“ اُس نے کہا: ”اور گم شدہ اونٹ؟“ آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک غصے سے تہمتا اٹھا، فرمایا: ”تجھے اس سے کیا غرض؟ اس کی مشک اور اس کے جوتے اس کے ساتھ ہیں (چشموں سے) پانی پی لے گا اور درختوں سے (پتے وغیرہ) کھالے گا!“ (۹۸)

غلطی واقع ہونے پر یا اس کا علم ہوتے ہی، مربی کا متوازن رد عمل، جس کا اثر اس کی آواز اور اندازِ کلام میں ظاہر ہو رہا ہو، یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل میں بُرائی کے خلاف نفرت موجود ہے اور وہ اس پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ اس سے حاضرین کے دلوں میں اس بُرائی سے خوف پیدا ہو جاتا ہے اور مربی کی اس جذباتی کیفیت کا ان کے دلوں پر بہت اثر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر غلطی پر پردہ ڈال دیا جائے یا ردِ عمل ظاہر کرنے میں تاخیر کی جائے تو بعد میں اس پر تبصرہ کرنے سے مطلوبہ تاثیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

بعض اوقات حکمت کا تقاضا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غلط کام اور بڑی غلطی پر مشتمل کلام پر تبصرہ اُس وقت تک متاخر کر دیا جائے جب تک لوگوں کی مناسب تعداد جمع نہیں ہو جاتی۔ اس لئے کہ وہ معاملہ بہت اہم ہوتا ہے، یا سامعین کی

(۹۸) صحیح البخاری کتاب اللقطة باب اذا جاء صاحب اللقطة بعد

تعداد اتنی نہیں ہوتی کہ تبصرہ سے مناسب فائدہ حاصل ہو، یا وہ زیادہ لوگوں تک بات پہنچا سکیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو بار تبصرہ کیا جائے، ایک بار فوری طور پر متعلقہ افراد کے سامنے وضاحت کر دی جائے اور دوسری بار مناسب وقت پر عوام کو بات سمجھادی جائے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو زکوٰۃ و صدقات کی وصولی کے لئے روانہ فرمایا۔ اپنے فرائض کی انجام دہی سے فارغ ہو کر وہ صاحب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ”یہ آپ لوگوں کا مال ہے (یعنی زکوٰۃ و صدقات) اور یہ مجھے تحائف ملے ہیں۔“ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تو اپنے باپ اور اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا، پھر دیکھتا کہ تجھے تحائف ملتے ہیں یا نہیں؟“ اسی شام آنحضرت ﷺ نے نماز کے بعد کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ارشاد فرمائی جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے، پھر فرمایا:

”اما بعد، کیا وجہ ہے کہ ہم ایک شخص کو عامل مقرر کرتے ہیں، تو وہ آکر ہمیں کہتا ہے: یہ مال آپ کی عائد کردہ ڈیوٹی کی ادائیگی سے (زکوٰۃ وغیرہ جمع کر کے) حاصل ہوا ہے اور یہ مجھے تحفہ میں ملا ہے۔ وہ کیوں نہ اپنے باپ کے اور ماں کے گھر میں بیٹھ رہا، پھر دیکھتا کہ اسے تحفے ملتے ہیں یا نہیں؟ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، جو شخص اس مال میں خیانت کر کے کچھ لے گا وہ قیامت کو اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے حاضر ہوگا۔ اگر اونٹ ہے تو اسے لے کر حاضر ہوگا، اور وہ اونٹ بلبلا رہا ہوگا، اگر گائے ہے تو اسے لے کر حاضر ہوگا، اور وہ رانہ رہی ہوگی، اگر بکری ہے تو اسے لے کر حاضر ہوگا، اور وہ میاں رہی ہوگی۔ میں نے (اللہ کا حکم) پہنچا دیا ہے۔“

حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ اتا ہاتھ اتا ہاتھ اتا کیا کہ ہمیں آپ کی بغلیں نظر آنے لگیں۔“ (۹۹)

(۲۶) غلطی کرنے والے سے بحث نہ کرتے ہوئے اعراض کر لینا تاکہ وہ خود ہی اصلاح کر لے :

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت اپنی بیٹی فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لائے اور فرمایا : ”تم لوگ نماز (تہجد) نہیں پڑھتے؟“ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا : ”ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب ہمیں اٹھانا (اور جگانا) چاہے گا، اٹھا دے گا۔“ (۱۰۰) ان کی یہ بات سن کر آنحضرت ﷺ کچھ کہے بغیر واپس پلٹ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنا کہ نبی اکرم ﷺ واپس جاتے ہوئے اپنی ران پر ہاتھ مار کر فرما رہے تھے : ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ ”انسان سب سے زیادہ جھگڑالو مخلوق ہے۔“ (۱۰۱)

(۲۷) غلطی کرنے والے کو زبانی تنبیہ کرنا :

جیسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب (بن ابی بلتعہ) رضی اللہ عنہ کو عتاب فرمایا تھا، جب آپ کو معلوم ہوا کہ حاطب رضی اللہ عنہ نے قریش کے کافروں کو پیغام بھیجا ہے کہ مسلمان مکہ فتح کرنے کے لئے آرہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

(۹۹) صحیح البخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کان یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم ح ۶۶۳۶۔

(۱۰۰) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام کی متعدد توجیہات ممکن ہیں۔ دیکھئے فتح الباری ۷/۳۳۷۔

(۱۰۱) صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ح ۷۳۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”حاطب! تُو نے یہ کام کیوں کیا؟“ انہوں نے کہا: ”میں اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں، اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا، (بات صرف اتنی ہے کہ) میں چاہتا تھا کہ ان لوگوں پر میرا کوئی احسان ہو، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میرے بچوں اور مال کی حفاظت فرمائے۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اس نے سچ کہا ہے، لہذا اسے کوئی بڑی بات نہ کہنا۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”اس نے اللہ کی، رسول کی اور مومنوں کی خیانت کی ہے، مجھے اجازت دیجئے کہ اسے قتل کر دوں۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”عمر، تجھے کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے بدر (کی جنگ میں شریک ہونے) والوں سے فرمایا ہے: جو چاہو کرو، تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”آنکھوں میں آنسو آگئے، فرمایا: ”اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔“ (۱۰۲)

اس واقعہ میں تربیت کے نقطہ نظر سے عظیم نکات ہیں:

(۱) نبی اکرم ﷺ نے اس صحابی کو تنبیہ فرمائی جن سے بہت بڑی غلطی ہو گئی

تھی، چنانچہ فرمایا: ”تُو نے یہ کام کیوں کیا؟“

(۲) غلطی کرنے والے سے وہ سب دریافت کرنا چاہیے جس کی بنا پر غلطی سرزد

ہوئی، کیونکہ اس سے اس کے بارے میں اختیار کئے جانے والے موقف پر

اثر پڑے گا۔

(۳) جن حضرات کے بڑے کارنامے اور فضائل ہیں، وہ بھی گناہوں سے

معصوم نہیں۔

(۴) مربی میں اپنے ساتھیوں کی غلطیاں برداشت کرنے کا حوصلہ ہونا چاہیے،

(۱۰۲) صحیح البخاری کتاب الاستئذان باب من نظرفی کتاب...

تاکہ وہ صحیح راہ پر قائم رہ کر اس کا ساتھ دیتے رہیں، کیونکہ مقصد ان کی اصلاح ہے نہ کہ انہیں اپنے پاس سے بھگا دینا۔

(۵) تربیت کرنے والے کو اس بات کا احساس کرنا چاہیے کہ کسی ساتھی پر وقتی طور پر انسانی کمزوری کا غلبہ ہو سکتا ہے اور اگر کسی پرانے رفیق سے کوئی بڑی غلطی سرزد ہو جائے تو اس کا سختی سے مؤاخذہ نہ کیا جائے۔

(۶) اگر غلطی کرنے والا دفاع کا مستحق ہو تو اس کا دفاع کیا جائے۔

(۷) غلطی کو بہت بڑی یا معمولی قرار دیتے وقت اور غلطی کرنے والے کے بارے میں موقف طے کرتے وقت اس کی گزشتہ بڑی بڑی نیکیوں کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

(۲۸) غلطی کرنے والے کو ملامت کرنا:

بالکل واضح غلطی پر خاموشی اختیار نہیں کی جاسکتی۔ لہذا غلطی کرنے والے کو بغیر کسی تمہید کے براہ راست ملامت کی جاسکتی ہے، تاکہ وہ اپنی غلطی کا احساس کرے۔ صحیح بخاری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، 'وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میرے پاس ایک اونٹنی تھی جو جنگ بدر کے مالِ غنیمت میں سے میرے حصے میں آئی تھی۔ اور نبی اکرم ﷺ نے خمس میں سے بھی مجھے ایک اونٹنی دی تھی۔ جب میں نے چاہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو (نکاح کے بعد) اپنے گھراؤں تو میں نے بنو قینقاع کے ایک سناہ کے ساتھ طے کیا کہ وہ بھی میرے ساتھ چلے گا، اور ہم اذخر گھاس لا کر سناہوں کے ہاتھ فروخت کریں گے۔ میں اس کے ذریعے اپنے ولیمہ کا انتظام کرنا چاہتا تھا۔ ابھی میں اپنی اونٹنیوں کے لئے پالان، بورے اور رسیاں وغیرہ جمع کر رہا تھا اور میری اونٹنیاں ایک

انصاری کی دیوار کے پاس بیٹھی تھیں۔ میں جو کچھ جمع کر سکا، لے کر واپس آیا تو دیکھا کہ کسی نے میری اونٹنیوں کے کوہان کاٹ لئے ہیں، اور پیٹ پھاڑ کر جگر نکال لئے ہیں۔ میں نے جب ان کا یہ حال دیکھا تو میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے کہا: ”یہ کام کس نے کیا ہے؟“ لوگوں نے کہا: ”حمزہ بن عبدالمطلب نے کیا ہے، اور وہ اس گھر میں کچھ انصاریوں کے ساتھ شراب نوشی میں مصروف ہیں۔“ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے پاس حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے میرے چہرے سے میری کیفیت کا اندازہ لگا لیا۔ آپ نے فرمایا: ”کیا ہوا؟“ میں نے کہا: ”یا رسول اللہ! مجھ پر آج جیسی مصیبت کبھی نہیں آئی۔ حمزہ نے میری اونٹنیوں کے کوہان کاٹ دیئے ہیں اور پیٹ پھاڑ دیئے ہیں۔ وہ اس گھر میں ہیں، ان کے ساتھ کچھ لوگ شراب نوشی میں مصروف ہیں۔“ نبی اکرم ﷺ نے اپنی چادر طلب فرما کر اوڑھ لی، پھر چل پڑے۔ میں اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ حضور اُس گھر تک جا پہنچے جہاں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ آنحضرت ﷺ نے (اندر آنے کی) اجازت طلب کی، انہوں نے اجازت دے دی۔ دیکھا کہ وہ لوگ پی رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان کے اس کام پر ملامت کرنا شروع کر دی۔ دیکھا تو حمزہ کی آنکھیں نشے کی وجہ سے سرخ ہو چکی تھیں۔ حمزہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، پھر (مشکل سے) نظر اٹھائی تو آنحضرت ﷺ کے گھٹنے پر نظر پڑی، پھر نظر اٹھائی تو آنحضرت ﷺ کے شکم مبارک تک نظر اٹھی، پھر نظر اٹھا کر چہرہ اقدس کی طرف دیکھا، پھر حمزہ رضی اللہ عنہ بولے: ”تم لوگ تو میرے باپ کے غلام ہو۔“ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ وہ نشے میں ہیں، (لہذا ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں)، چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ اُلٹے پاؤں لوٹ

آئے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ ہی وہاں سے چلے آئے۔ (۱۰۳) یہ واقعہ شراب نوشی کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔
 (۲۹) غلطی کرنے والے سے بے اعتنائی:

امام احمد رضی اللہ عنہ نے حمید رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے کہا: ولید رضی اللہ عنہ میرے پاس اور میرے ایک دوست کے پاس آئے، اور ہم سے کہا: ”آؤ چلیں، تم دونوں مجھ سے عمر میں کم ہو اور حدیث مجھ سے زیادہ یاد رکھ سکتے ہو۔“ وہ ہمیں بشر بن عاصم رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور ان سے کہا: ”ان دونوں کو اپنی حدیث سنائیے۔“ بشر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمیں عقبہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث سنائی کہ ابو النضر لیشی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بہر رضی اللہ عنہ نے، جو کہ ان کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، فرمایا:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوجی دستہ روانہ فرمایا۔ انہوں نے ایک جماعت پر حملہ کیا۔ ان میں سے ایک آدمی الگ ہو کر ایک طرف ہو گیا۔ لشکر کے ایک آدمی نے تلوار سونت کر اس کا تعاقب کیا۔ الگ ہونے والے نے کہا: ”میں مسلمان ہوں۔“ تعاقب کرنے والے نے اس کی بات پر توجہ نہ دی اور اس پر وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں سخت الفاظ ارشاد فرمائے۔ قاتل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خبر پہنچی (وہ آگیا)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، قاتل نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! اس (مقتول) نے جو بات کہی تھی وہ جان بچانے کے لئے کہی تھی۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے اور ادھر بیٹھے ہوئے افراد کی طرف سے منہ پھیر لیا، اور خطبہ ارشاد

(۱۰۳) صحیح البخاری کتاب فرض الخمس باب فرض الخمس

ح ۳۰۹۱۔

فرماتے رہے۔ اُس نے دوبارہ کہا: ”یا رسول اللہ! اُس نے جو بات کہی تھی وہ جان بچانے کیلئے کہی تھی“۔ حضور ﷺ نے دوبارہ اس کی طرف سے اور ادھر بیٹھے ہوئے افراد کی طرف منہ پھیر لیا اور خطبہ ارشاد فرماتے رہے۔ اُس نے تیسری بار کہا: ”اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اُس نے صرف قتل سے بچنے کیلئے یہ بات کہی تھی“۔ جناب رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ کے چہرہ مبارک سے ناراضگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ آپ نے تین بار فرمایا: (إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ ابْنِي عَلِيٍّ مَنِ قَتَلَ مُؤْمِنًا)) ”جو شخص کسی مؤمن کو قتل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس (کی بات ماننے) سے انکار فرماتے ہیں“۔ (۱۰۴)

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نجران سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا اور ارشاد فرمایا: ”تم میرے پاس آئے ہو جب کہ تمہارے ہاتھ میں آگ کا انگارہ ہے“۔ (۱۰۵)

(۱۰۴) مسند احمد ۱۱۰/۳ و ۲۸۸/۵-۲۸۹۔ علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔

سلسلة الاحادیث الصحيحة ۳۰۹/۲ ح ۶۸۹۔

(۱۰۵) سنن النسائی کتاب الزینة، باب ۳۵ ح ۵۲۰۳۔ علامہ البانی نے حدیث

کو صحیح کہا ہے، ملاحظہ ہو صحیح سنن النسائی ح ۴۷۹۳۔

مسند احمد میں یہ واقعہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہی کی روایت سے بالتفصیل مذکور ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ”نجران سے ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس نے سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اُس سے اعراض فرمایا اور اس سے کچھ نہیں پوچھا۔ آدمی نے اپنی بیوی کو یہ بات بتائی۔ اُس نے کہا: ضرور کوئی بات ہے، دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہو۔ اس نے انگوٹھی اور وہ جبہ جو پہنا ہوا تھا اتار کر حاضری دی۔ اُس نے (پہنچ کر) اجازت طلب کی، تو اجازت مل گئی۔ اس نے سلام عرض =

مسند احمد میں حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما) سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا تو اُس سے عرض فرمایا۔ اُس نے وہ اتار کر لوہے کی انگوٹھی بنوائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ زیادہ بڑی ہے، یہ تو اہل جہنم کا زیور ہے۔“ اُس نے وہ بھی اتار دی اور چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ (۱۰۶)

(۳۰) غلطی کرنے والے کا بایکٹ :

یہ ایک انتہائی مؤثر نبوی اسلوب ہے، بالخصوص جب کہ غلطی یا گناہ بہت عظیم ہو۔ اس لئے کہ تعلقات منقطع کر لینے سے غلطی کرنے والے کے دل پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا واقعہ ہے، جو غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

۱۰۰ = کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا۔ اُس نے کہا: یا رسول اللہ! جب میں پہلے آیا تھا تو آپ نے بے اعتنائی فرمائی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تو ہاتھ میں آگ کا انگارہ پن کر آیا تھا۔“ وہ آدمی بحرین سے کچھ زیورات لایا تھا۔ اُس نے کہا: ”یا رسول اللہ! میں تو بہت انگارے لے آیا ہوں۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تیرے لائے ہوئے مال کا ہمیں اتنا ہی فائدہ ہے جتنا حرہ (مقام) کے پتھروں کا ہوتا ہے، لیکن یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔“ اُس نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! صحابہ کرام میں میرا عذر بیان فرما دیجئے، وہ یہ نہ سمجھیں کہ آپ کسی وجہ سے مجھ سے ناراض ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر وضاحت فرمادی کہ اس شخص کے ساتھ یہ رویہ اس کی سونے کی انگوٹھی کی وجہ سے تھا۔“ مسند احمد ۱۳/۳۔ علامہ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح کہا ہے ج ۱۱۲۵

(۱۰۶) مسند احمد ۱۶۳/۲۔ علامہ شاکر نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو شرح

احمد شاکر ۲۵/۱۰ ج ۶۵۱۸۔

جب نبی اکرم ﷺ نے یہ تحقیق کر لی، اور خود انہوں نے بھی اعتراف کر لیا کہ ان کے پاس جہاد سے پیچھے رہ جانے کا کوئی عذر نہیں تھا تو پھر کیا ہوا، اس کی تفصیل خود حضرت کعب بنی اشجہ کی زبان سے پیش خدمت ہے۔ انہوں نے فرمایا :

جو لوگ رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے، ان میں سے ہم تین سے آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ لوگ ہم سے دُور دُور رہنے لگے اور ہمارے ساتھ ان کا رویہ بالکل تبدیل ہو گیا۔ حتیٰ کہ مجھے زمین اجنبی محسوس ہونے لگی۔ گویا یہ وہ سر زمین نہیں جسے میں جانتا تھا۔ پچاس دن تک ہمارا یہی حال رہا۔ میرے دونوں ساتھی تو انتہائی دل شکستہ ہو کر گھروں میں بیٹھ رہے اور روتے رہے۔ میں زیادہ جوان اور مضبوط تھا، (صبر کر کے یہ عظیم مصیبت برداشت کرتا رہا)، میں گھر سے نکل کر مسلمانوں کے ساتھ نمازِ باجماعت میں بھی شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا پھرتا بھی تھا، لیکن کوئی مسلمان مجھ سے کلام نہیں کرتا تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر مجلس میں تشریف فرما ہوتے، میں حاضر ہو کر سلام عرض کرتا، پھر دل میں کہتا: کیا میرے سلام کا جواب دینے کے لئے آنحضرت ﷺ کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی ہے یا نہیں؟ (شک ہی رہتا)۔ پھر میں حضور ﷺ کے قریب ہی نماز شروع کر دیتا۔ چور نظروں سے حضور ﷺ کی طرف دیکھتا۔ جب میں اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور ﷺ میری طرف دیکھتے، جب میں حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ منہ پھیر لیتے۔ جب لوگوں کی بے اتفاقی کی مدت طویل ہو گئی تو (ایک دن) میں دیوار پھاند کر ابو قتادہ بنی اشجہ کے باغ میں داخل ہو گیا، وہ میرے چچا زاد تھے، اور مجھے سب لوگوں سے زیادہ پیارے تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا، اللہ کی قسم! انہوں نے میرے سلام کا جواب تک نہ دیا۔ میں نے کہا :

”ابو قتادہ! میں تجھ سے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں؟“ وہ خاموش رہے۔ میں نے دوبارہ قسم دے کر پوچھا، وہ پھر بھی خاموش رہے۔ میں نے پھر قسم دے کر پوچھا تو انہوں نے کہا: ”اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ معلوم ہے۔“ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں واپس لوٹا اور دیوار پھاند کر باہر آ گیا.....

اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے آگے جا کر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ہم سے کلام کرنے سے منع کیا تھا، پچاس راتیں گزر گئی تھیں۔ پچاسویں رات کی صبح کو میں فجر کی نماز پڑھ کر گھر کی چھت پر بیٹھا تھا اور میری وہی کیفیت تھی جو اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) بیان فرمائی ہے کہ مجھ پر میری جان تنگ ہو گئی تھی، اور زمین باوجود فراخی کے مجھ پر تنگ ہو چکی تھی۔ اچانک مجھے کسی پکارنے والے کی آواز سنائی دی، جس نے سلع پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے پکارا تھا: ”اے کعب بن مالک! تجھے خوشخبری ہو۔“ (۱۰۷)

اس واقعہ میں عظیم نکات اور ایسے نصاب ہیں جنہیں کسی حال میں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ان سے مطلع ہونے کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ کیا جائے جن میں علماء نے اس حدیث کی شرح بیان کی ہے، مثلاً زاد المعاد اور فتح الباری۔

ترمذی کی حدیث سے بھی آنحضرت ﷺ کے اس اسلوب کو رو بہ عمل لانے کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: ”جناب رسول اللہ ﷺ کو تمام عادتوں میں سب سے زیادہ نفرت جھوٹ

(۱۰۷) صحیح البخاری کتاب المغازی باب حدیث کعب بن مالک

ح ۲۴۱۸

سے تھی۔ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے پاس غلط بیانی کرتا تو آنحضرت ﷺ کے دل پر اُس وقت تک اس کا اثر رہتا تھا جب تک حضور ﷺ کو یقین نہ ہو جاتا کہ اس نے توبہ کر لی ہے۔ (۱۰۸)

مسند احمد کی روایت میں ہے: ”رسول اللہ ﷺ کے دل میں اس سے ناراضگی رہتی۔“ (۱۰۹) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”اگر حضور ﷺ کو اپنے کسی صحابی سے اس قسم کی کوئی چیز معلوم ہوتی تو حضور ﷺ اس سے کبیدہ خاطر رہتے، حتیٰ کہ معلوم ہو جائے کہ اُس نے توبہ کر لی ہے۔“ (۱۱۰)

ایک روایت میں ہے: ”اگر حضور ﷺ کو اپنے گھر والوں میں سے کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ اس نے کوئی بات جھوٹ کہی ہے تو آپ اُس سے عدم التفات کا رویہ رکھتے، حتیٰ کہ وہ توبہ کر لے۔“ (۱۱۱)

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غلطی کرنے والے سے خفا ہو جانا، تاکہ وہ اپنی غلطی سے باز آجائے، ایک مفید تربیتی اسلوب ہے۔ لیکن یہ اسی صورت میں مفید ہو سکتا ہے جب غلطی کرنے والے کے دل میں خفا ہو جانے والے کا ایک مقام ہو، ورنہ اس پر اس کا کوئی مثبت اثر نہیں ہوگا۔ بلکہ ممکن ہے وہ سوچے کہ اچھا ہوا، جان چھوٹ گئی۔

(۱۰۸) سنن الترمذی کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی الصدق والكذب ح ۱۹۷۳۔ امام ترمذی نے حدیث کو حسن کہا ہے۔

(۱۰۹) مسند احمد ۱۵۲/۶۔

(۱۱۰) علامہ البانی نے متعلقہ حدیث کے جمیع طرق بیان کیے ہیں اور بالمجموع صحیح کہا ہے،

ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۸۰/۵ ح ۲۰۵۲۔

(۱۱۱) حوالہ سابقہ بواسطہ ”التمہید“ ۶۹/۱۔

(۳۱) غلطی پر آڑ جانے والے کو بد عادی بنا:

امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص نے بائیں ہاتھ سے کھایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔“ اُس نے کہا: ”میں نہیں کھا سکتا۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”تو نہ کھا سکے۔“ اس کے بعد اس کا دایاں ہاتھ اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکا۔ (۱۱۲)

مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو جسے یسر بن راعی العیر کہا جاتا تھا بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا۔ میں نے حضور ﷺ کو اسے فرماتے سنا: ”دائیں ہاتھ سے کھا۔“ اُس نے کہا: ”میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”تو طاقت نہ رکھے۔“ صحابی فرماتے ہیں: اس کے بعد اس کا دایاں ہاتھ منہ تک نہیں پہنچ سکا۔ (۱۱۳)

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بلا عذر کسی شرعی حکم کی مخالفت کرے اسے بد عادی بنا جائز ہے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر حال میں کرنا چاہئے، حتیٰ کہ کھانا کھانے کے دوران بھی کیا جاسکتا ہے۔“ (۱۱۴)

یہ بد عا اس انداز کی نہیں تھی جس سے انسان کے خلاف شیطان کی مدد ہو، بلکہ یہ ایک قسم کی سزا تھی۔

(۱۱۲) صحیح مسلم، کتاب الاشریۃ، باب آداب الطعام والشراب

ح ۲۰۲۱-

(۱۱۳) مسند احمد ۴/۳۵ و ۵۰۔

(۱۱۴) شرح صحیح مسلم ۱۳/۱۹۲-

۳۲) غلطی کرنے والے کے احترام کو پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ غلطی کی طرف اشارہ کر کے باقی تفصیل بیان کرنے سے گریز کرنا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿وَإِذْ أَسْرَأَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا ۖ فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضُهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَاكَ هَذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِي الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ۝﴾

(التحریم : ۳)

”اور جب نبیؐ نے اپنی ایک بیوی سے ایک راز کی بات کہی۔ پھر جب اُس نے اس کو افشا کر دیا اور اللہ نے نبیؐ کو اس سے آگاہ کر دیا، تو نبیؐ نے اس پر کسی حد تک (اُس بیوی کو) خبردار کیا اور کسی حد تک اس سے درگزر کیا۔ پھر جب نبیؐ نے اُسے (افشائے راز کی) یہ بات بتائی تو اُس نے پوچھا: آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟ نبیؐ نے کہا: مجھے اُس نے خبر دی جو سب کچھ جاننے والا اور خوب باخبر ہے۔“

قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر ”محاسن التاویل“ میں فرمایا :

”اور جب نبیؐ نے ”یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ”اپنی ایک بیوی سے“ حنفہ رضی اللہ عنہا سے ”راز کی بات کہی“ یعنی لونڈی کو یا اللہ کی حلال کردہ کسی اور چیز کو، اپنی ذات پر حرام کرنے کی بات بتائی۔ ”جب اُس نے اس کو افشا کر دیا“ یعنی اُس نے وہ راز کی بات اپنی ساتھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتادی ”اور اللہ نے پیغمبر کو اس سے آگاہ کر دیا“ یعنی آپ کو اطلاع دے دی کہ اُس نے اسے بات بتادی ہے ”تو پیغمبر نے اس بیوی کو وہ بات کچھ تو بتائی“ یعنی انہوں نے جو راز افشاء کیا تھا، ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے وہ کچھ بات بتائی ”اور کچھ نہ بتائی۔“ یعنی

احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ بات نہ بتائی۔

نوٹ : الا کیلیل میں ہے : ”اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کسی آشنا یعنی بیوی یا دوست وغیرہ کو راز کے طور پر کوئی بات بتانے میں کوئی حرج نہیں، اور اس (ہم راز) کے لئے ضروری ہے کہ اس راز کو محفوظ رکھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیویوں سے حسن سلوک کرنا چاہیے اور ڈانٹ ڈپٹ میں بھی نرمی کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور (غلطی کرنے والے کو جتانے کے لئے) غلطی کی پوری تفصیل ذکر کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔“ (۱۱۵)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ہے : ”شریف آدمی کبھی تفصیل میں نہیں جاتا۔“ سفیان رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ”شریف لوگ ہمیشہ تعادل سے کام لیتے ہیں۔“ (۳۳) غلطی کے ازالے میں مسلمان کی مدد کرنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا : ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک آدمی آیا۔ اُس نے کہا : ”یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا۔“ فرمایا : ”کیا ہوا؟“ اُس نے کہا : ”میں نے روزہ کی حالت اپنی بیوی سے مباشرت کر لی۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ”کیا تمہیں ایک غلام دستیاب ہے جسے تم آزاد کر دو؟“ اُس نے عرض کیا : ”جی نہیں۔“ فرمایا : ”کیا تم مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟“ اُس نے کہا : ”جی نہیں۔“ فرمایا : ”کیا تمہارے پاس اتنا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو؟“ اُس نے کہا : ”جی نہیں۔“ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تشریف فرما رہے۔ اسی اثناء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ٹوکرا پیش کیا گیا، جس میں کھجوریں تھیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا : ”سائل کہاں ہے؟“ اُس نے کہا : ”جی، میں ہوں۔“

فرمایا: ”یہ لے کر صدقہ کر دو“۔ وہ بولا: ”اللہ کے رسول! کیا اپنے سے زیادہ غریب آدمی پر صدقہ کروں؟ اللہ کی قسم! سنگریزوں والے دونوں قطعات کے درمیان (یعنی پورے مدینہ میں) مجھ سے غریب گھر موجود نہیں“۔ آنحضرت ﷺ کھل کر مسکرائے حتیٰ کہ آپ کے نوکیلے دانت نظر آنے لگے۔ پھر فرمایا: ”اپنے گھروالوں کو کھلا دینا“۔ (۱۱۶)

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حسان کے قلعہ کے بلند حصہ کے سائے میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی حاضر خدمت ہوا اور بولا: ”اللہ کے رسول! میں تو جل گیا“۔ فرمایا: ”کیا ہوا؟“ اُس نے کہا: ”میں نے روزے کی حالت میں بیوی سے مقاربت کی ہے“۔ راوی کہتے ہیں: یہ رمضان کا واقعہ ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ”بیٹھ جاؤ“۔ وہ دوسرے لوگوں میں جا بیٹھا۔ تب ایک آدمی گدھے پر کھجوروں کی بوری لے کر حاضر ہوا اور اُس نے کہا: ”یا رسول اللہ! یہ میری طرف سے صدقہ ہے“۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ کہاں ہے جو ابھی جل گیا تھا؟“ اُس نے کہا: ”میں حاضر ہوں یا رسول اللہ!“ فرمایا: ”یہ لے لو اور صدقہ کر دو“۔ اُس نے کہا: ”صدقہ مجھ پر اور میرے لئے کرنے کے علاوہ اور کہاں جائے گا؟ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میرے پاس اور میرے بیوی بچوں کے پاس کچھ بھی نہیں“۔ فرمایا: ”تب اسے لے لو“۔ چنانچہ اُس نے وہ کھجوریں لے لیں۔ (۱۱۷)

(۱۱۶) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب اذا جامع فی رمضان

ح ۱۹۳۶

(۱۱۷) مسند احمد ۶/۲۷۶

۳۳۳ غلطی کرنے والے سے مل کر تبادلہ خیال کرنا:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میرے والد نے ایک معزز خاندان کی ایک خاتون سے میری شادی کر دی۔ وہ اپنی بہو کی خیریت کا پتہ کرنے آتے اور اس سے اس کے خاوند کے بارے میں پوچھتے، وہ کہتی: ”وہ بہت اچھے آدمی ہیں، جب سے ہم ان کے پاس آئے ہیں وہ ہمارے بستر پر نہیں بیٹھے، نہ ہمارا کپڑا اٹھا کر دیکھا۔“ جب کافی عرصہ تک یہی کیفیت رہی تو انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ذکر کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسے میرے پاس لانا۔“ اس کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: ”تم روزے کس طرح رکھتے ہو؟“ میں نے کہا: ”ہر روز۔“ فرمایا: ”قرآن کتنی دیر میں ختم کرتے ہو؟“ میں نے عرض کیا: ”ہر رات۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر مہینے میں تین روزے رکھو، اور ایک مہینے میں قرآن پڑھو۔“ میں نے کہا: ”میں اس سے زیادہ (عمل کرنے کی) طاقت رکھتا ہوں۔“ فرمایا: ”ہفتہ میں تین روزے رکھو۔“ میں نے عرض کیا: ”میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔“ فرمایا: ”دو دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھو۔“ میں نے عرض کیا: ”میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔“ فرمایا: ”تو سب سے افضل روزہ رکھ لو، یعنی داؤد علیہ السلام کا روزہ، ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن چھوڑو اور سات راتوں میں ایک بار قرآن ختم کرو۔“ کاش! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت قبول کر لی ہوتی! اب میں بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں (اور اتنی عبادت آسانی سے نہیں کر سکتا۔) (راوی بیان کرتے ہیں کہ) آپ دن کے وقت قرآن کا ساتواں حصہ کسی کو سنالیتے تھے، تاکہ رات کو پڑھنے میں آسانی ہو اور جب یہ چاہتے کہ (انہیں روزے رکھنے کی) طاقت

حاصل ہو جائے، تو کئی دن (مسل) روزہ چھوڑ دیتے، بعد میں گن کر پورے کر لیتے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ جو کام نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں کرتے رہے ہیں، اسے ترک کر دیں۔ (۱۱۸)

مسند احمد کی روایت میں یہ واقعہ مزید وضاحت سے بیان ہوا ہے، اور اس روایت میں مزید کئی نکات بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میرے والد نے قریش کی ایک عورت سے میرا نکاح کر دیا۔ جب وہ رخصت ہو کر میرے گھر آئی تو میں اس کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا، کیونکہ میں اپنے اندر عبادت یعنی نماز اور روزے کی طاقت محسوس کرتا تھا۔ (ایک دن) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اپنی بہو کے پاس آئے اور اس سے پوچھا: ”تم نے اپنے خاوند کو کیسا پایا؟“ اس نے کہا: ”بہت اچھا آدمی ہے، نہ اس نے ہمارا کپڑا اٹھایا، نہ ہمارے بستر پر آئے۔“ انہوں نے میرے پاس آ کر مجھے بہت سرزنش کی، اور فرمایا: ”میں نے تمہارا نکاح قریش کی اونچے حسب نسب والی عورت سے کیا، تو نے اس سے کنارہ کشی کر لی اور تو نے یہ کیا، وہ کیا؟“ (یعنی انہوں نے بہت بڑا بھلا کہا) پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میری شکایت کی۔ آنحضرت ﷺ نے مجھے بلا بھیجا۔ میں حاضر ہوا تو فرمایا: ”دن کو روزہ رکھتے ہو؟“ میں نے کہا: ”جی ہاں۔“ فرمایا: ”رات کو قیام کرتے ہو؟“ میں نے کہا: ”جی ہاں۔“ پھر فرمایا: ”لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں۔ جو میرے طریقے سے بے رغبتی کرے گا وہ مجھ سے

(۱۱۸) صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فی کم یقرء القرآن

نہیں۔“ پھر فرمایا : ”ہر مہینے ایک بار قرآن پڑھا کرو۔“ میں نے عرض کیا : ”میں اپنے آپ میں اس سے زیادہ قوت محسوس کرتا ہوں۔“ فرمایا : ”تب دس دن میں قرآن پڑھ لیا کرو۔“ میں نے کہا : ”میں خود کو اس سے زیادہ قوی سمجھتا ہوں۔“ فرمایا : ”تو تین دن میں پڑھ لو۔“ اس کے بعد فرمایا : ”ہر مہینے میں تین دن روزے رکھو۔“ میں نے کہا : ”میں اس سے زیادہ قوت رکھتا ہوں۔“ آپ اضافہ کرتے رہے حتیٰ کہ فرمایا : ”ایک دن روزہ رکھو ایک دن نہ رکھو۔ یہ سب سے افضل روزہ ہے اور یہ میرے بھائی داؤد (علیہ السلام) کا روزہ ہے۔“ پھر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا : ”ہر عبادت کرنے والے کا ایک جوش ہوتا ہے اور ہر جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ جوش کے ٹھنڈا پڑنے پر وہ شخص یا تو سنت پر قائم رہتا ہے یا بدعت اختیار کر لیتا ہے۔ تو جو شخص جوش ٹھنڈا ہونے پر بھی سنت پر عمل کرتا ہے وہ ہدایت پا جاتا ہے اور جو شخص جوش ٹھنڈا ہونے پر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے وہ تباہ ہو جاتا ہے۔“

مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ”جب عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بوڑھے اور کمزور ہو گئے تو (یہ طریقہ اختیار کیا کہ) مسلسل کئی دن روزے رکھتے رہتے پھر اسی تعداد کے مطابق (مسلسل) روزہ چھوڑ دیتے، تاکہ کچھ قوت حاصل ہو جائے۔“ انہوں نے فرمایا : ”اسی طرح تلاوت کے حصہ میں بھی کمی بیشی کر لیتے تھے لیکن (مجموعی طور پر) مقدار پوری کر کے سات دن میں یا تین دن میں قرآن مجید پڑھ لیتے۔“ انہوں نے فرمایا : ”بعد میں وہ کہا کرتے تھے : ”اگر میں رسول اللہ ﷺ کی رخصت قبول کر لیتا تو وہ موجودہ متبادل صورت سے بہتر ہوتا۔ لیکن میں رسول اللہ ﷺ سے جو کام کرتے ہوئے جدا ہوا ہوں اب اسے چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنے کو جی نہیں چاہتا۔“ (۱۱۹)

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

واقعہ سے مستنبط بعض مسائل

☆ نبی اکرم ﷺ نے اس سبب کی طرف توجہ فرمائی جس کی وجہ سے مسئلہ پیدا ہوا تھا۔ یعنی عبادت میں اس حد تک انہماک کہ بیوی کے حقوق کی ادائیگی کے لئے وقت نہ بچا جس کے نتیجے میں کوتاہی کا ارتکاب ہوا۔

☆ ”ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو“۔ یہ قاعدہ ہر اس شخص پر منطبق ہوتا ہے جو نیکی کے کاموں میں حد سے زیادہ مشغول ہو۔ مثلاً وہ طالب علم جو بہت زیادہ اسباق پڑھتا ہے اور وہ مبلغ جو تبلیغ میں اس حد تک منہمک ہو جاتا ہے کہ بیوی کو تکلیف ہوتی ہے اور اسے شکایت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ نیکی کے مختلف کاموں کی ادائیگی میں توازن قائم نہیں رہتا اور وقت کو مستحقین میں تقسیم کرنے پر عدم توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ لہذا مناسب ہے کہ طالب علم اپنے اسباق کے اوقات میں سے اور مبلغ اپنی مصروفیت میں سے اتنی تخفیف کرے کہ گھر کے انتظام اور بیوی بچوں کے حقوق۔ مثلاً اصلاح و تربیت وغیرہ — کے لئے کافی وقت بچ سکے۔

(۳۵) غلطی کرنے والے کو صاف طور پر اس کی غلطی بتا دینا:

صحیح بخاری میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میرا کسی آدمی سے جھگڑا ہو گیا، اس کی ماں عجی تھی۔ میں نے اس کو ماں کا طعنہ دیا، اُس نے نبی ﷺ کو بتایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”فلاں شخص سے تمہارا گالی گلوچ ہوا؟“ میں نے کہا: ”جی ہاں۔“ فرمایا: ”تم نے اس کی ماں کو بڑا کہا؟“ میں نے کہا: ”جی ہاں۔“ فرمایا: ”تم ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت کا اثر باقی ہے۔“ میں نے کہا: ”اس بڑھاپے میں بھی؟“ فرمایا: ”ہاں، وہ (غلام)

(۱۱۹) مسند احمد ۲/۱۵۸۔ احمد شاکر نے حدیث کو صحیح کہا ہے ح ۶۳۷۷۔

تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے قبضہ میں دے دیا ہے۔ تو جس کے قبضہ میں اللہ نے اس کے بھائی کو کیا ہو، اسے چاہیے کہ جو خود کھائے اسے کھلائے اور جو خود پینے سے پہنائے، اور اسے اس کام میں نہ لگائے جو اس پر غالب آجائے (انتہائی دشوار ہو) اور اگر اسے کسی ایسے کام میں لگائے جو اس پر غالب آئے تو اس کی ادائیگی میں اس کی مدد بھی کرے۔“ (۱۲۰)

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے بھائیوں میں سے ایک آدمی کے ساتھ میری تلخ کلامی ہو گئی، اس کی ماں عجمی تھی، میں نے اسے ماں کا طعنہ دیا۔ اُس نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے میری شکایت کی۔ نبی اکرم ﷺ سے میری ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا: ”ابو ذر! تمہارے اندر جاہلیت پائی جاتی ہے۔“ میں نے کہا: ”اللہ کے رسول! جو کوئی لوگوں کو گالی دیتا ہے، لوگ اس کے ماں باپ کو گالی دیتے ہیں۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ابو ذر! تمہارے اندر جاہلیت پائی جاتی ہے۔ وہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے قبضہ میں دے دیا ہے، لہذا انہیں وہ کچھ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور ان کے ذمے وہ کام نہ لگاؤ جو ان پر غالب آجائے۔ اگر ایسا کام ان کے ذمے لگاؤ تو ان کی مدد کرو۔“ (۱۲۱)

نبی اکرم ﷺ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو بلا تمہید اور پوری صراحت سے یہ بات فرما دی، کیونکہ آنحضرت ﷺ کو معلوم تھا کہ صحابی رضی اللہ عنہ اس کو قبول کر لیں گے۔

(۱۲۰) صحیح البخاری کتاب الادب باب ما ینھی عن السباب واللعن

ح ۶۰۵۰-

(۱۲۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اطعام المملوک مما یا کل

ح ۱۶۶۱-

کیونکہ صراحت ایک مفید ذریعہ ہے، جس میں وقت بھی کم لگتا ہے اور محنت بھی زیادہ نہیں کرنا پڑتی، اور اصل مقصد بھی بڑی سہولت سے واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن اس طریقہ کار کا استعمال مناسب حالات میں اور مناسب افراد کے ساتھ ہی کیا جاسکتا ہے۔

بعض اوقات عالم غلطی پر صراحت سے تنبیہ کرنے سے اجتناب کرتا ہے، جب کہ اس طریقہ کے استعمال کے نتیجے میں کوئی بڑی خرابی پیدا ہونے کا خطرہ ہو، یا کوئی بڑا فائدہ ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہو۔ مثلاً غلطی کرنے والا معاشرہ میں ممتاز مقام کا حامل ہے یا کسی بلند عہدے پر فائز ہے جس کی وجہ سے وہ اس اسلوب سے کی ہوئی تنقید برداشت نہیں کرتا۔ یا خطرہ ہے کہ صراحت کرنے پر غلطی کرنے والا اپنے آپ کو سخت مشکل میں محسوس کرے گا، یا وہ اس قدر حساس طبیعت کا مالک ہے کہ اس سے منفی رد عمل سرزد ہونے کا امکان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غلطی کرنے والا صراحت کے اسلوب کو پسند نہیں کیا کرتا، اور اسے برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ اس میں سامنے ہو کر بات کی جاتی ہے، اور تنقید کرنے والا گویا استاد جیسے بلند مقام پر فائز محسوس ہوتا ہے جبکہ اسکے مقابلے میں غلطی کرنے والا ایک نقص کا حامل اور کم تر مقام پر نظر آتا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ گھما پھرا کر بات کرنے کے بھی منفی پہلو موجود ہیں، جو بعض اوقات صراحت کے اسلوب سے بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ غلطی کرنے والا یہ محسوس کر سکتا ہے کہ اسے کم عقل سمجھ کر تضحیک کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ممکن ہے وہ اشاروں کنایوں کی وجہ سے پریشانی محسوس کرے، کیونکہ وہ انہیں طنز اور ذہنی ازیت سمجھتا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسے جو بات سمجھانا مقصود ہے وہ اسے سمجھ ہی نہ سکے، کیونکہ کلام کا اصل مقصد پوشیدہ ہے اور غلطی کرنے

والے کا ذہن اس تک نہیں پہنچ سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ غلطی پر قائم رہے گا۔ ویسے بھی ہر شخص میں قبولیت کی طرف میلان ایک جیسا نہیں ہوتا۔ مزید برآں ایک شخص کے لئے ایک انداز بہتر ہوتا ہے، دوسرے آدمی کے لئے کوئی دوسرا اسلوب بہتر ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات ہر حال میں درست ہے کہ تبلیغ کی کامیابی میں رہنمائی کرتے وقت حسن خلق کا اثر سب سے زیادہ ہے۔

(۳۶) غلطی کرنے والے کو قائل کرنا:

غلطی کرنے والے کو قائل کرنے کے لئے اس سے تبادلہ خیال کی کوشش کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس طرح اس کی عقل پر سے وہ پردہ ہٹ جاتا ہے جو حق کی قبولیت میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے، چنانچہ آدمی سیدھی راہ قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ سنتِ نبویؐ میں سے اس کی ایک مثال طبرانی کی وہ حدیث ہے جو حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان لڑکا جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا: ”اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔“ لوگوں نے بلند آواز سے اسے منع کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے (حاضرین سے) فرمایا: ”بس کرو۔“ پھر فرمایا: ”اسے سکون سے بیٹھنے دو۔“ اور اُسے فرمایا: ”قریب آ جاؤ۔“ وہ قریب آ گیا، حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کے بالکل سامنے آ بیٹھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا: ”کیا تم اپنی والدہ کے لئے یہ چیز پسند کرتے ہو؟“ اُس نے کہا: ”جی نہیں۔“ فرمایا: ”اسی طرح لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے یہ چیز پسند نہیں کرتے۔ کیا تم اپنی بیٹی کے لئے یہ چیز پسند کرتے ہو؟“ اُس نے کہا ”جی نہیں۔“ فرمایا: ”اسی طرح لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لئے یہ بات پسند نہیں کرتے۔ کیا تم اپنی بہن کے لئے یہ پسند

کرتے ہو؟“ اُس نے کہا: ”جی نہیں“۔ فرمایا: ”اسی طرح لوگ بھی اپنی بہنوں کے لئے یہ چیز پسند نہیں کرتے — کیا تم اپنی پھوپھی کے لئے یہ بات پسند کرتے ہو؟“ اُس نے کہا: ”جی نہیں“۔ فرمایا: ”اسی طرح لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کے لئے پسند نہیں کرتے — کیا تم اپنی خالہ کے لئے یہ پسند کرتے ہو؟“ اُس نے کہا: ”جی نہیں“۔ فرمایا: ”اسی طرح لوگ بھی اپنی خالائوں کے لئے پسند نہیں کرتے“۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ اس کے سینے پر رکھا اور فرمایا:

((اللَّهُمَّ كَفِّرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ وَحَصِّنْ فَرْجَهُ))

”اے اللہ! اس کا گناہ معاف کر دے، اس کے دل کو پاک کر دے، اور

اسے پاک دامنی بھی عطا فرما“۔ (۱۲۲)

۷۳) غلطی کرنے والے کو احساس دلانا کہ اس کا عذر لنگ ناقابل قبول ہے:

بعض اوقات غلطی کرنے والا من گھڑت اور ناقابل قبول وجوہات تراش کر اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، خصوصاً جب کہ معاملہ اچانک ظاہر ہو جائے اور وہ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار نہ ہو۔ بعض اوقات جھوٹا بہانہ کرتے ہوئے زبان انگنتی ہے، خاص طور پر جب آدمی صاف دل والا ہو اور اسے جھوٹ بولنا نہ آتا ہو۔ اگر مرتبی کے سامنے اس قسم کے آدمی کا کوئی معاملہ آئے تو وہ کونسا طریق کار اختیار کرے؟ مندرجہ ذیل قصہ اگر صحیح سند سے ثابت ہو جائے تو اس سے نبی اکرم ﷺ کا اپنے ایک صحابی کے ساتھ بڑا خوبصورت اور مہنی بر حکمت

(۱۲۲) مسند احمد، ۲۵۶/۵ و ۲۵۷۔ والمعجم الكبير للطبرانی ۸/ ۱۲۲،

خ ۷۶۷۹۔ امام بیہقی نے حدیث کو صحیح کہا ہے مجمع الزوائد ۱/ ۱۲۹ ح ۵۳۲

باب فی ادب العالم۔

موقف سامنے آتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مہربی کس طرح غلطی کرنے والے کو ایک تسلسل کے ساتھ غلطی کا احساس دلا سکتا ہے، حتیٰ کہ وہ اپنی غلطی سے دستبردار ہو کر اصلاح کر لے۔

حضرت خوات بن جبریلؓ فرماتے ہیں : ہم نے جناب رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی میں مر الظهران (مکہ کے قریب ایک مقام) پر پڑاؤ ڈالا۔ میں اپنے خیمے سے نکلا، اچانک مجھے کچھ خواتین باتیں کرتی نظر آئیں۔ مجھے یہ منظر اچھا لگا۔ میں نے واپس اپنے خیمے میں جا کر اپنا لقمچہ نکالا، اس میں سے ایک حُلّہ (عمدہ جوڑا) نکال کر پہنا، اور اُن کے پاس آ بیٹھا۔ (اچانک) رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ (مجھے عورتوں کے پاس بیٹھے دیکھ کر) فرمایا : ”اے ابو عبد اللہ!“ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو میں خوفزدہ ہو گیا اور مجھ سے کوئی بات نہ بن پائی۔ میں نے کہا : ”اللہ کے رسول! میرا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے، میں اس کے لئے رستی کی تلاش میں ہوں۔“ حضور ﷺ چل دیئے، میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ آپ نے اپنی چادر میرے پاس رکھ دی (مطلب یہ تھا کہ یہیں رکے رہو) اور خود (قضائے حاجت کے لئے) درختوں میں تشریف لے آئے۔ مجھے درختوں کے سبز رنگ میں سے آپ کی کمر مبارک کی سفیدی نظر آرہی تھی۔ فارغ ہو کر آپ نے وضو کیا، اور تشریف لائے تو آپ کی ریش مبارک سے پانی ٹپک ٹپک کر سینے پر گر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا : ”ابو عبد اللہ! تمہارے بھاگے ہوئے اونٹ کا کیا بنا؟“ اس کے بعد ہم روانہ ہو گئے۔ چلتے چلتے جب بھی رسول اللہ ﷺ مجھے ملتے تو فرماتے ”السلام علیکم، ابو عبد اللہ! تمہارے بھاگے ہوئے اونٹ کا کیا بنا؟“ یہ کیفیت دیکھ کر میں تیزی سے سفر کر کے مدینہ پہنچ گیا، میں نے مسجد میں آنا اور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں بیٹھنا چھوڑ دیا۔ جب کافی دن گزر گئے تو میں

ایسے وقت مسجد کی طرف چلا جب وہ (نمازیوں سے) خالی ہو، میں وہاں کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ جناب رسول اللہ ﷺ بھی کسی حجرہ شریف میں سے نکل کر تشریف لے آئے اور ہلکی سی دو رکعتیں پڑھیں۔ میں نے نماز لمبی کر دی کہ شاید حضور ﷺ مجھے چھوڑ کر تشریف لے جائیں۔ آپ نے فرمایا: ”ابو عبد اللہ! جتنی لمبی چاہو نماز پڑھو، جب تک تم نماز سے فارغ نہیں ہو گے میں بھی نہیں اٹھوں گا۔“ میں نے دل میں کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور جناب رسول اللہ ﷺ سے معذرت کر لوں گا اور اپنے بارے میں حضور ﷺ کا دل صاف کر دوں گا۔ جب میں نے نماز سے سلام پھیرا تو آپ نے فرمایا: ”ابو عبد اللہ! السلام علیکم، تمہارے بھاگے ہوئے اونٹ کا کیا بنا؟“ میں نے عرض کیا: ”قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، وہ اونٹ تو جب سے میں مسلمان ہوا ہوں، کبھی نہیں بھاگا۔“ آنحضرت ﷺ نے تین بار فرمایا: ”اللہ تجھ پر رحمت فرمائے۔“ اس کے بعد آپ نے دوبارہ وہ بات نہیں فرمائی۔ (۱۲۳)

یہ تربیت کا ایک عمدہ درس ہے، اور ایسے پُر حکمت طریق کار کی مثال ہے جس سے مطلوبہ نتیجہ حاصل ہو گیا۔ اس واقعہ سے مندرجہ ذیل مسائل بھی اخذ کئے جاسکتے ہیں:

☆ مربی کی ایک ہیبت ہے، چنانچہ جب وہ غلطی کے مرتکب کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ شرم محسوس کرتا ہے۔

☆ مربی کے سوالات — باوجود مختصر ہونے کے — اور مربی کی نظریں بہت کچھ سمجھا دیتی ہیں، اور ان کا دل پر گہرا اثر ہوتا ہے۔

(۱۲۳) المعجم الكبير للطبرانی ۳/۳۰۴- اس کی سند منقطع ہے کیونکہ زید بن

اسلم نے حضرت خواتین سے حدیث نہیں سنی۔

☆ من گھڑت عذر؛ جس میں واضح خلل اس کو غلط ثابت کر رہا ہے، اسے سن کر بحث نہ کرنا اور عذر کرنے والے سے اعراض کر لینا، یہ احساس دلانے کے لئے کافی ہے کہ اس کا عذر قبول نہیں ہوا، اور یہ چیز اُسے توبہ اور معذرت کی طرف مائل کرتی ہے۔ یہ نکتہ اس حدیث کے ان الفاظ سے ظاہر ہے:

”حضور ﷺ چل دیئے۔“

☆ اچھا مرئی وہ ہے جو غلطی کرنے والے کے دل میں حیاء کا احساس بھی پیدا کر دے جس کی وجہ سے وہ اس سے روپوش رہنا چاہتا ہے، اور یہ احساس بھی پیدا کرے کہ اسے اس کے پاس حاضر ہونے کی ضرورت ہے۔ اور آخر کار دوسرا احساس پہلے پر غالب آجائے۔

☆ اس قسم کے حالات میں جب غلطی کا مرتکب اپنا موقف تبدیل کر لیتا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی غلطی کا معترف ہے اور اس سے رجوع کر رہا ہے۔

۳۸ انسان کی فطری کمزوریوں کو ملحوظ رکھنا:

اس کی ایک مثال عورتوں، اور خصوصاً سونوں میں رقابت کا جذبہ ہے۔ بعض اوقات اس جذبہ کے زیر اثر عورت سے ایسی غلطی سرزد ہو جاتی ہے کہ اگر کسی اور انسان سے عام حالات میں سرزد ہو تو اس سے بالکل مختلف طریقے سے سلوک کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ عورتوں کی باہمی رقابت اور اس کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والی غلطیوں کو خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، اور اس میں عدل و انصاف کے ساتھ ساتھ صبر برداشت اور تحمل کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”صحیح“ میں حضرت

اُس بناجھو سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا :

نبی اکرم ﷺ اپنی کسی زوجہ محترمہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں تشریف فرما تھے۔ ایک ام المومنین (رضی اللہ عنہا) نے ایک چوڑے برتن میں کھانا بھیجا۔ نبی اکرم ﷺ جس خاتون کے ہاں تشریف فرما تھے، انہوں نے خادمہ کے ہاتھ پر ہاتھ مارا جس کی وجہ سے برتن گر کر ٹوٹ گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے برتن کے ٹکڑے جمع کئے اور ان میں گرا ہوا کھانا ڈالنے لگے اور فرمایا : ”تمہاری ماں کو غیرت آگئی۔“ پھر آپ نے خادمہ کو روک لیا، حتیٰ کہ جس ام المومنین (رضی اللہ عنہا) کے ہاں حضور ﷺ تشریف فرما تھے ان کے گھر سے برتن حاضر کیا گیا۔ حضور نے صحیح برتن ان کے ہاں بھیج دیا جن کا برتن ٹوٹا تھا اور ٹوٹا ہوا برتن ان کے ہاں رہنے دیا جنہوں نے توڑا تھا۔ (۱۲۳)

سنن نسائی میں حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے لئے ایک چوڑے برتن میں کھانا لائیں۔ (اتنے میں) حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) آگئیں۔ انہوں نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی اور ان کے پاس ایک پتھر تھا۔ انہوں نے پتھر مار کر برتن توڑ دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے برتن کے دونوں ٹکڑوں کو ملا کر رکھا اور دوبار فرمایا : ”کھاؤ، تمہاری ماں کو غیرت آگئی تھی۔“ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کا برتن لے کر حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں بھیج دیا اور حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کا (ٹوٹا ہوا) برتن حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو دے دیا۔ (۱۲۵)

(۱۲۳) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب حُب الرجل بعض نساءه
افضل من بعض ح ۵۲۴۵۔

(۱۲۵) سنن النسائی، کتاب عشرة النساء، باب الغيرة ح ۳۹۶۶۔
علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحیح سنن النسائی ح ۳۶۹۳۔

سنن دارمی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک زوجہ محترمہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک بڑا پیالہ بھیجا جس میں ٹرید تھا۔ حضور ﷺ اپنی کسی دوسری زوجہ محترمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے پیالے کو کچھ مار کر توڑ دیا۔ نبی اکرم ﷺ ٹرید اٹھا اٹھا کر پیالے میں ڈالنے لگے اور فرمایا: ”کھاؤ، تمہاری ماں کو غیرت آگئی۔“ (۱۳۶)

عورت کا غیرت و رقابت کا جذبہ اس کی فطرت میں رچا بسا ہوا ہے، جو اس سے بڑے بڑے کام کروا دیتا ہے اور اس کی نگاہ سے نتائج و عواقب کو اوجھل کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی وہ کیفیت ہو جاتی ہے جیسے کسی کا قول ہے کہ ”عورت پر جب غیرت کا جذبہ غالب آتا ہے تو اسے یہ بھی نظر نہیں آتا کہ وادی کا اونچا کنارہ کونسا ہے اور نیچی زمین کونسی؟“

حرفِ آخر

سُنّتِ نبویہ کے معطرچمن کی اس مختصری سیر سے نبی اکرم ﷺ کے وہ مختلف اسلوب سامنے آئے ہیں جو نبی اکرم ﷺ نے عام لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے اختیار فرمائے۔ اس موضوع پر جو گزارشات پیش کی گئی ہیں، بہتر ہے چند نکات میں ان کی دوبارہ یاد دہانی ہو جائے :

☆ غلطیوں کی اصلاح لازمی ہے اور اہم بھی — اور یہ دینی خیر خواہی کی ایک صورت اور نہی عن المنکر کا ایک جزء ہے۔ لیکن یہ فریضہ کا صرف ایک جزء ہے، کیونکہ دین میں صرف نہی عن المنکر نہیں، امر بالمعروف بھی شامل ہے۔

☆ تربیت صرف غلطیوں کی اصلاح کا نام نہیں، بلکہ اس میں دین کے اصول و قواعد اور شرعی احکام بتانا، سمجھانا اور سکھانا بھی شامل ہے اور افراد کے ذہن میں ان تصورات کو واضح اور راسخ کرنے کے لئے مختلف ذرائع استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً عملی نمونہ پیش کرنا، وعظ و نصیحت کرنا، واقعات اور کہانیاں سنانا، وغیرہ۔ بعض والدین، اساتذہ اور تربیت کرنے والوں سے یہ کوتاہی سرزد ہوتی ہے کہ پوری توجہ غلطیوں کی تلاش اور ان کے علاج کی طرف مبذول کر دیتے ہیں اور بنیادی تصورات کی تعلیم کی طرف کماحقہ توجہ نہیں کرتے، حالانکہ بے راہ روی اور غلطیوں کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے حفاظتی اقدامات اختیار کرنے سے ان کی مقدار کم ہو سکتی ہے، بلکہ یہ ختم بھی ہو سکتی ہیں۔

☆ مذکورہ بالا واقعات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے غلطیوں کی اصلاح کے لئے جو اقدامات فرمائے ہیں، ان میں بہت تنوع پایا جاتا ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حالات اور افراد کے بدلنے سے اصلاح کا اسلوب بھی بدل جاتا ہے۔ لہذا جو شخص اس معاملہ میں نبی اکرم ﷺ کی اقتدا کرنا چاہتا ہے وہ پیش آنے والے واقعات میں تفقہ اور اجتہاد سے کام لیتے ہوئے ان نظائر کو سامنے رکھتا ہے اور مسئلہ کو اس سے مشابہ مسئلہ پر قیاس کر کے وہ اسلوب منتخب کر لیتا ہے جو کسی خاص موقعہ کے لئے زیادہ مناسب ہو۔

آخر میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں سمجھ نصیب فرمائے اور ہمیں نفسِ آمارہ کی شرارتوں سے محفوظ رکھے۔ ہمیں نیکی کی راہیں کھولنے والے اور بُرائی کی راہیں بند کرنے والے بنائے، ہماری رہنمائی فرمائے اور ہمیں دوسروں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ یقیناً وہ ہماری دُعائیں سننے والا اور قبول کرنے والا ہے — وہی ہمارا آقا و مولا اور وہی مدد فرمانے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۰۰

پوز اسیر الامرا کی کمی کی دیگر مطبوعات

